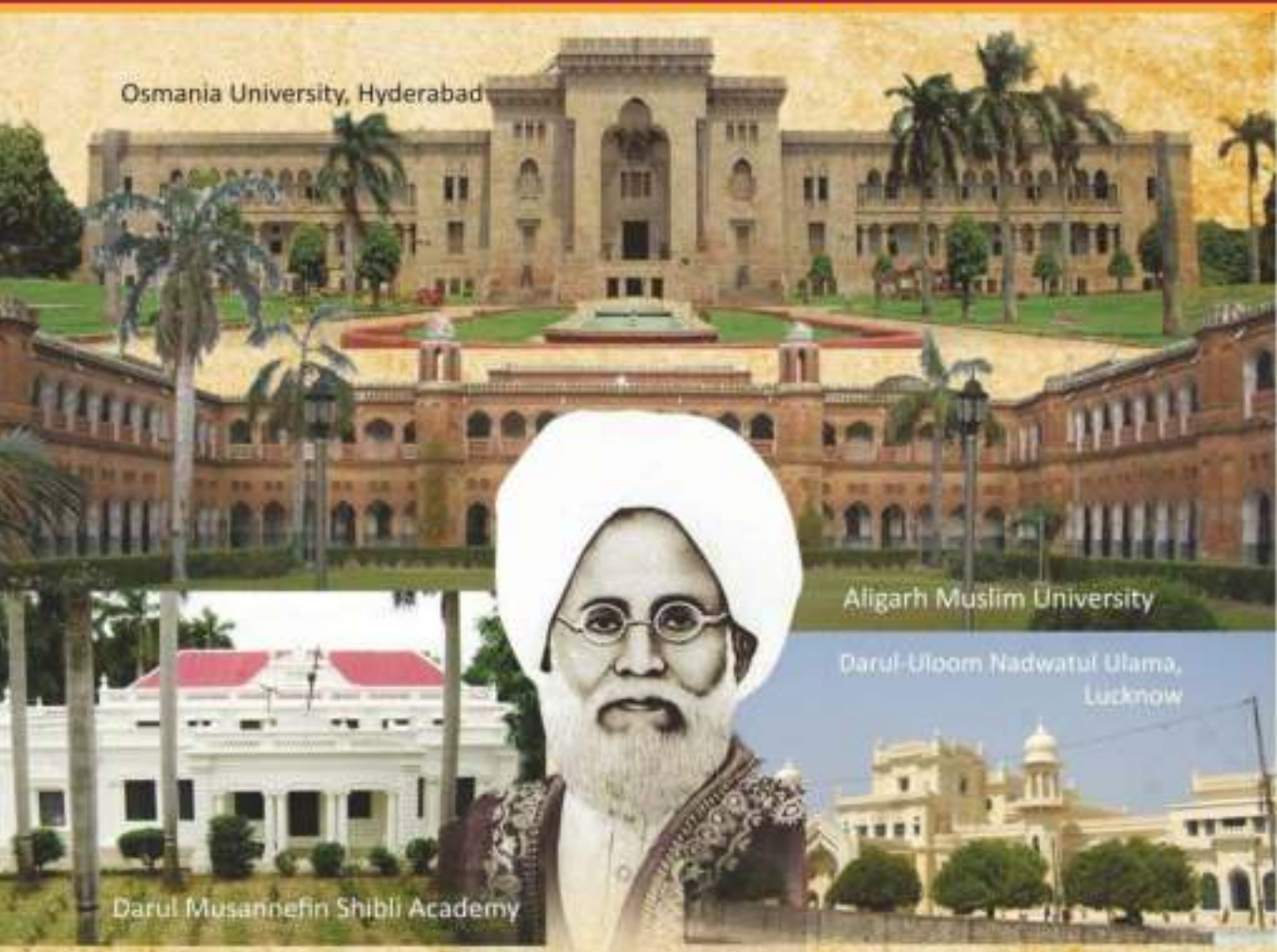
www.shibliinternational.com December 2018

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly SADA E SHIBLI Hyderabad Vol-1, Issue-9



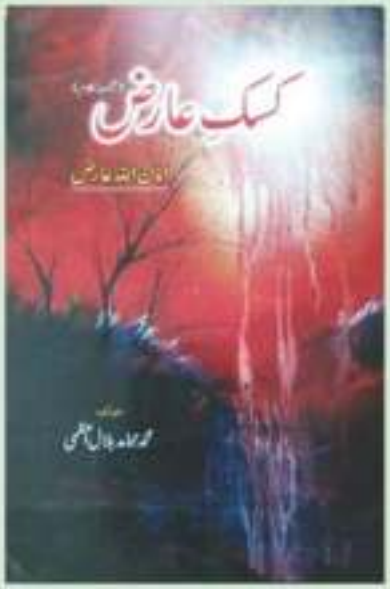
عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم

مجھے چند مقیم آستاں غیر ہونا تھا
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

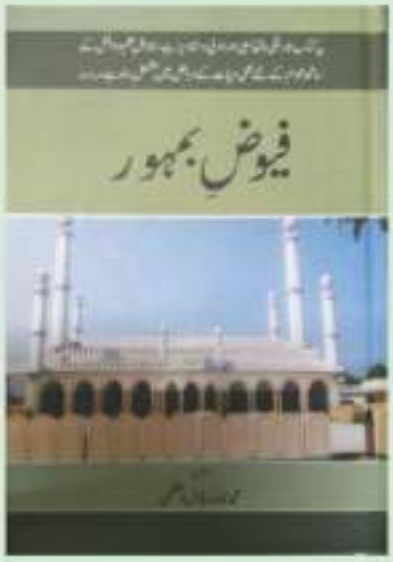
-/10 روپے

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
RNI: TELUED02136/2018
Rs. 10/-
Vol-1, Issue-9
Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal









Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com

دسمبر ۲۰۱۸ء

علمی، ادبی، سائنسی، مذہبی، سماجی اور معلوماتی شاہکار

جلد:۱۔شمارہ:۱۱

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری، ڈاکٹر عبدالقدوس، ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، استاذ الاساتذہ حضرت رحمٰن جامؔی

پروفیسر مظفر علی شہ میری، پروفیسر محسن عثمانی ندوی

پروفیسر ابوالکلام پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی،

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مولانا ارشاد الحق مدنی،

مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ

محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال

ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام

حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ

ڈاکٹر محمد زبیر، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، ڈاکٹر فضیل احمد ندوی،

ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان

MOHD MUHAMID HILAL
A/c: 52023475202
Ifsc: SBIN0020413
Micr: 500002311 Branch: Dabeerpura Hyd

قیمت فی شمارہ: 15
سالانہ: 150 - بیرونی ممالک: 50/امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 1000

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی باتیں	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	عباداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکرِ شبلی کا مطالعہ (قسط:۷)	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	شبلی کی معرکۃ الآراء تحقیقی وتنقیدی تصنیف 'شعرالعجم'	پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی	۱۱
۵	غزل	پروفیسر مظفر علی شہ میری	۱۷
۶	خالد سیف اللہ رحمانی کی آسان تفسیر قرآن مجید: ایک تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمد رفیق	۱۸
۷	غزل	محبوب خان اصغر	۲۰
۸	سوشل میڈیا کا صحیح استعمال استفادہ کا ذریعہ	ابو ہریرہ یوسفی	۲۱
۹	غزل	معین افروز	۲۳
۱۰	ڈاکٹر راحت سلطانہ کی ادبی خدمات	ڈاکٹر نوری خاتون	۲۴
۱۱	مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں میں عصری معنویت	اسریٰ تسنیم	۲۸
۱۲	علامہ شبلی نعمانی اور مدارس اسلامیہ کا نصاب ونظام درس	احمد نور عینی	۳۰
۱۳	غزلیں	حضرت رحمٰن جامیؔ	۳۶
۱۴	اردو شاعری میں ذاتِ مجتبیٰؐ اور صفاتِ مصطفیٰؐ (رپورتاژ)	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۳۷
۱۵	غزل	علینا عترت	۳۹
۱۶	مقالاتِ احیائی (تبصرہ)	مولانا انصار احمد معروفی	۴۰

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

ابو سفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی.....الحاج **محمد منیرالدین عرف ولی**، آغا پورہ حیدرآباد
ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد.....الحاج **محمد عبد الستار** سیکھ ویلج سکندرآباد حیدرآباد
علی میاں احمد پٹھان رائے گڑھ (مہاراشٹر).....**علی احمد عبد اللہ** کونچالی، رائے گڑھ (مہاراشٹر)
الحاج **رئیس احمد اقبال** انجینئر، سیکھ ویلج سکندرآباد حیدرآباد.....**محمد عبدالماجد** ایڈوکیٹ، سکندرآباد، حیدرآباد
جناب قاضی **فیض الدین**، اپر توڑیل، مہاڈ، رائے گڑھ مہاراشٹرا۔ جناب **محمد ابوطاہر** انجینئر، ٹولی چوکی حیدرآباد
ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد.....مولانا **محمد عبدالقادر سعود**
نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

اداریہ

اپنی باتیں

ماہِ نومبر و دسمبر ۲۰۱۸ء میں اس مرتبہ ملک اور بیرون ملک میں جشنِ آمد رسولؐ منایا گیا۔ اے کاش مشنِ آمدِ رسولؐ پر خاص توجہ دی جاتی تو اس ملک اور عالم کا کچھ اور ہی نقشہ ہوتا۔ سورہ علق کی ابتدائی آیتیں: جب لے کر حضرت جبرئیلؑ آئے تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''اقرا''۔ پڑھیے! تو آپؐ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ یہ دو مرتبہ ہونے کے بعد جب تیسری مرتبہ کہا گیا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھیے تو آپؐ نے جو پڑھنا شروع کیا تو اس قدر صحابہ کے سامنے پڑھ کر رکھ دیا کہ آپؐ سے بڑا کوئی پڑھنے والا اور عالم نہیں ہوسکتا۔ آپؐ نے پڑھانے کے انداز میں سارے علوم کی گتھیوں کو اس طرح وا کر دیا کہ اب آپؐ کے در کے علاوہ کوئی اور در دکھائی نہیں دیتا۔ اس منظر نامے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے نام سے پڑھنے کی شروعات جب کریں گے تو اللہ ناممکن کو ممکن میں تبدیل کر دے گا۔ حضور پرنورؐ سورۃ علق کی پانچ آیتیں لے کر گھر آئے اور حضرت خدیجۃ الکبری سے فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ آپؓ نے آپؐ کو کمبل اڑھایا اور حال پوچھا تو آپ نے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپؓ کی زبان سے بے ساختہ جملہ نکلا کہ اللہ آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا، کیونکہ آپؐ دوسرے کے کام آتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

یہ سادہ سے الفاظ بڑی بڑی حکومتوں اور سخت دلوں کے جیتنے کے لیے کافی ہے۔ حضورؐ نے بلالحاظ مذہب وملت، دوست ودشمن سب کی خدمت اور مدد کی، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسی راستے سے ملک اور بیرون ملک سے تشدد و نفرت کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

اتر پردیش کے بلند شہر میں پیش آئے سانحہ نے ایک مرتبہ پھر سے لا اینڈ آرڈر کی صورت حال پر سوالیہ نشان لگا دیا اور جب پرتشدد بھیڑ نے انسپکٹر سبودھ کمار سنگھ کو ایسی بے دردی سے پیٹ پیٹ کر مار ڈالا، گاڑیوں اور پولیس اسٹیشن کو جس طرح نذرِ آتش کیا، اس سے تو یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں کے حوصلے اتنے بلند ہوگئے ہیں کہ وہ قانون نظم وضبط کو کھلواڑ سمجھ رہے ہیں، اس میں حکومت کی کمزوری سمجھی جائے یا پولیس کی بزدلی؟ اس جیسے واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں، اس پر سخت موقف اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

حالیہ پانچ ریاستوں میں الیکشن ہوئے، الیکشن کے دوران سیاسی جماعتوں نے مراعات کی بات کہی اور عوام سے وعدہ کیا اور الزام تراشیوں کے لیے جو زبان استعمال کی، اس سے ملک کے ابتر سیاسی حالات کا پتہ چلتا ہے اور اس سے ایسا ماحول تیار ہوگیا کہ اچھے اور تعلیم یافتہ لوگ سیاست میں قدم رکھنے کے لیے سو مرتبہ سوچیں، لیکن ملک اور عوام کی خاطر اچھے اور تعلیم یافتہ لوگوں کو سیاست میں ضرور آنا چاہئے۔

قارئین کرام!!! ماہنامہ ''صدائے شبلی'' آپ کو کیسا لگا؟ آپ اپنی آراء سے ہمیں مطلع کریں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار رہے گا۔

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

عباداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

فاذا فرغت والی ربک فارغب (انشراح ۹۴: ۷،۸)

اے محمدؐ جب تجھے فرصت ملے عبادت کے لیے کھڑے ہو جا اور اپنے رب سے دل لگا۔

دنیا میں آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی ایسا پیغمبر نہیں گذرا جس کے متعلق صحیح طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا طریقۂ عبادت کیا تھا؟ اس کے کون کون سے اوقات اس کے لیے مخصوص تھے؟ اور اس کی عبادتوں کی نوعیت کیا تھی؟ گذشتہ انبیا میں حضرت نوحؑ، بلکہ آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک جن کے حالات توراۃ میں مذکور ہیں، ان کی زندگی کا یہ باب صحائفِ بنی اسرائیل سے قطعاً مفقود ہے، انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہیں کہیں صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دعائیں مانگا کرتے تھے، لیکن جب کہ ان مذاہب کے پیرؤوں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی جن پر دین و شریعت کا دارومدار ہے، وہ محفوظ نہیں رکھ سکے، پیروانِ اسلام کو یہ فخر ہے کہ انہوں نے اول سے آخر تک اپنے پیغمبر کے اوقاتِ عبادت، اس کے طریقے، اس کے انواع، اس کی کیفیات، غرض اس کے ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہے)۔

دعا اور نماز:

آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے بھی عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے اور غارِ حرا میں جا کر مہینوں قیام اور مراقبہ کرتے تھے، نبوت کے ساتھ ساتھ آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا لیکن چونکہ کفارِ قریش کا ڈر تھا، اس لیے چھپ کر نماز ادا کرتے تھے، نماز کا وقت جب آتا کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھ لیتے، ایک دفعہ آپؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درّہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے ابوطالب آ نکلے، انہوں نے دیکھا تو پوچھا، "بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟" آپ نے ان کو دعوت دی۔

چاشت کی نماز آپ سب کے سامنے حرم ہی میں ادا کرتے تھے، کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور روسائے قریش بیٹھے تمسخر کر رہے تھے، ابوجہل نے کہا "کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا اور محمد جب سجدہ میں جاتے تو وہ ان کی گردن پر ڈال دیتا"۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام دیا۔ نماز میں جب آپؐ جہر سے قرأت فرماتے تو کفار برا بھلا کہتے۔

ایک مرتبہ آپؐ حرم میں نماز ادا کر رہے تھے، بعض اشقیا نے چاہا کہ آپؐ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں، ایک دفعہ ایک شقی نے گلے میں پھانسی ڈالدی، لیکن باایں ہمہ مزاحمت لذت شناس یادِ الٰہی اپنے فرض سے باز نہیں آتا تھا۔

راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپؐ نمازیں پڑھا کرتے تھے، اس عبادتِ شبانہ کے متعلق مختلف صحابہؓ سے مختلف روایتیں ہیں، ایک راوی کا بیان ہے کہ آپؐ رات بھر نماز میں کھڑے رہے، ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر اٹھ کر نماز میں مصروف ہوتے، پھر سو جاتے، پھر اٹھ کر بیٹھتے اور نماز ادا کرتے، غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی، ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آدھی رات کے بعد آپؐ اٹھتے تھے اور تیرہ رکعتیں ادا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کی روایت ۹ رکعت کی ہے، محدثین نے ان سب میں تطبیق دی ہے کہ آپ ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے، ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے، عام طور پر آخر میں آپ کا طرزِ عمل وہی تھا جو حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی زبانی عبادتِ شبانہ کے عنوان سے گذر چکا ہے۔ (سیرۃ النبوی۔ ج: دوم۔ ص: ۱۹۷۔۱۹۸) (جاری)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

گذشتہ سے پیوست

مقدمہ خطوط شبلی کے ذکر سے پہلے چند باتوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ مقدمہ ۱۹۲۶ء میں لکھا گیا، اس سے پہلے بابائے اردو نے کبھی مولانا شبلی مرحوم کے کسی کام کی کبھی تعریف وتحسین نہیں کی بلکہ ان میں کیڑے نکالتے رہے اور ان سرگرمیوں کی سرپرستی کرتے رہے جو شبلی کے خلاف ہوتی تھیں۔ اس زمانہ میں حافظ محمود شیرانی کا سلسلہ تنقید شعرالعجم وہ خود رسالہ اردو میں جس کے وہ ایڈیٹر تھے شائع کر رہے تھے، جس کی ہر طرف دھوم تھی حتی کہ اسی تنقید اور بعض دوسرے تنقیدی مضامین کی وجہ سے آج حافظ محمود شیرانی کو تحقیق کا باوا آدم قرار دیا جاتا ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ انھوں نے تنقید شعرالعجم میں بڑی دقت نظری سے کام لیا لیکن قارئین کے سامنے یہ نکتہ واضح نہیں کیا کہ شبلی نے جس وقت شعرالعجم لکھی تھی ان کے سامنے بیشتر اس کے مآخذ مخطوطہ اور ناپید تھے اور شیرانی صاحب کے زمانہ میں اس میں بیشتر طبع ہوکر عام ہوگئے تھے۔ بہرحال تنقید شعرالعجم کو دبستان شبلی میں اس لحاظ سے ناپسند کیا گیا کہ اس کی پشت پناہی بابائے اردو کر رہے تھے۔ اس میں وہ بڑی حد تک حق بجانب تھے، مثلاً ایک بار مولانا سید سلیمان ندوی نے ڈاکٹر سید عبداللہ سے کہا کہ وہ شیرانی صاحب سے کہہ دیں کہ وہ شوق سے تنقید لکھیں مگر مولوی عبدالحق کی پارٹی بن کر نہیں، چنانچہ انھوں نے سید صاحب کا یہ خیال شیرانی صاحب تک پہونچا دیا تو وہ برسوں ڈاکٹر سید عبداللہ سے ناراض رہے۔ (بحوالہ مولوی عبدالحق کی ادبی ولسانی خدمات/ ج ا ص ۱۹۲۔۱۹۳) خلیق انجم، انجمن ترقی اردو ہند دہلی، ۱۹۹۲ء)

سید صاحب کی حیثیت اس عہد میں علمی، ادبی اور تاریخی ہر حیثیت سے بابائے اردو سے کسی طرح کم نہ تھی اور وہ اس دور کی سرگرمیوں کے بڑے واقف کار تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر سید عبداللہ کے ذریعہ شیرانی صاحب کو اپنے خوف سے آگاہ کیا، جہاں تک شبلی مخالف سرگرمیوں کی مولوی عبدالحق کی سرپرستی کا معاملہ ہے اس کے متعلق ایک اور واقعہ سنئے۔ مقتدی خاں شیروانی نے ایک طویل مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے ''مولانا شبلی کا قیام علی گڑھ'' اس میں انھوں نے بعض ایسے واقعات لکھے ہیں جن سے شبلی کی شخصیت پر آنچ آتی ہے، مولوی عبدالحق صاحب نے انھیں خط لکھ کر اس مقالہ کی داد دی اور لکھا کہ ''آپ نے کیا چھپی چوریاں پکڑی ہیں''۔ (رقعات عبدالحق ص ۳۰۷)

بابائے اردو کے اس رویے سے ان کی شبلی مخالف سرگرمیوں کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۴۔ مقدمہ خطوط شبلی: ۱۹۲۲ء میں منشی محمد امین زبیری کو عطیہ بیگم سے معلوم ہوا کہ علامہ شبلی نے ان کو اور ان کی بہن کو جو خطوط لکھے تھے وہ محفوظ ہیں، چنانچہ انھوں نے وہ خطوط ان سے حاصل کئے، نقل کیا اور بعض خطوط کو اپنے رسالہ ظل السلطان بھوپال میں شائع بھی کیا، ان کی تحریر کے مطابق انھوں نے اسے مکاتیب شبلی مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی میں شامل کرنے کی سید صاحب سے خواہش ظاہر ہے مگر انھوں نے منع کر دیا حالانکہ انھوں نے مکاتیب شبلی کے طبع دوم میں بہت سے

خطوط کا اضافہ کیا تھا، اس سلسلہ میں امین زبیری کے دو بیانات ملتے ہیں ایک بیان یہ بھی ہے کہ اولاً انھوں نے ان خطوط کو علامہ شبلی کے ایک ارادت مند کے پاس بھیجا یا ان سے شائع کرنے کے سلسلے میں رائے مانگی مگر انھوں نے اسے شائع کرنے سے منع کر دیا''۔ (خطوط شبلی طبع اول ص ۳) یہاں تک کہ ان کا ارادہ متزلزل ہو گیا مگر مولوی عبدالحق صاحب نے ان کا حوصلہ بڑھایا یہاں تک کہ اشاعت پر مجبور کر دیا۔ (ایضاً)

مولوی عبدالحق کی اس قدر دلچسپی اور سید سلیمان ندوی کی عدم التفاتی کے سبب انھوں نے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کو نظر انداز کر کے بابائے اردو سے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی، چنانچہ انھوں نے ایک مفصل مقدمہ لکھا۔ یہی مقدمہ اور اس کے مشمولات ہمارا موضوع مطالعہ ہیں۔

راقم گذشتہ پچیس برس سے شبلیات کا مطالعہ کر رہا ہے، مطالعے کا چسکا تو بچپن سے ہے اور مختلف موضوعات نہ جانے کتنی کتابوں کے دیباچے اور مقدمے پڑھے ہیں لیکن میری مطالعاتی زندگی میں ایسی بدترین تحریر پڑھنے کو نہیں ملی تھی میں نے اسے پہلے بھی پڑھا ہے لیکن آج جب اس پر لکھنے بیٹھا اور اس نظر سے اسے پڑھا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالی جسے قلم دے اس کا فرض ہے کہ وہ حق وانصاف سے کام لے، تخریب، بد دیانتی، سیاق وسباق اور پس منظر کون سا پہلو ہے جس میں بابائے اردو نے خیانت سے کام نہ لیا ہو۔ واقعہ یہ ہے یہ نہ صرف شبلی کے خلاف لکھی جانے والی بلکہ اردو میں اپنی نوعیت کی بدترین تحریر ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب نے شبلی کی تعریف میں کبھی ایک حرف نہیں لکھا لیکن خطوط شبلی کے مقدمہ کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

> ''آپ نے اپنی عنایت سے مولانا شبلی مرحوم کے جو خطوط مجھے بھیجے ہیں میں نے انھیں بڑے شوق سے پڑھا اور جب تک میں شروع سے اخیر تک سب نہ پڑھ چکا میں نے انھیں ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ چند روز بعد میں نے دوبارہ پھر پڑھا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا شوق اب بھی کم نہیں ہوا۔ بڑا ظلم ہوگا اگر یہ خط یونہی پڑے پڑے ردی میں مل جائیں اور تلف ہو جائیں اور دنیا اس نعمت سے محروم رہ جائے''۔ (خطوط شبلی ص ۱۴)

اس کے بعد انھوں نے خطوط کی اہمیت وافادیت بیان کی ہے، مرزا غالب کی خطوط نگاری اور ان کی حیثیت وافادیت پر زور قلم صرف کیا ہے، پھر ان خطوط کے قابل لحاظ پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے اور لکھا ہے کہ:

> ''میں مولانا شبلی کے ان خطوط کو.....کئی لحاظ سے قابل قدر سمجھتا ہوں، ایک تو ان کا طرز بیان نہایت سادہ بے تکلف اور دلچسپ ہے جو ان کی دوسری تصانیف اور رقعات میں نہیں پایا جاتا، دوسرے ان میں مولانا کے بعض ایسے خیالات پائے جاتے ہیں جو ان کی تصانیف میں کہیں نظر نہیں آتے اور نہ شاید کبھی گفتگو میں ان کا ذکر انھوں نے فرمایا جس کی وجہ آگے چل کر بیان کروں گا۔ تیرے ان خطوں سے محبت اور خلوص کی بو آتی ہے جو ان کے دوسرے رقعات میں نہیں ہے اور یہ ایک بہت بڑی وجہ ان کی دلچسپی اور قدر کی ہے''۔ (خطوط شبلی ص ۱۶۔۱۷)

اس اقتباس میں کئی باتیں قابل غور ہیں مثلاً اسلوب نگارش کے بارے میں بابائے اردو نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے کیا واقعی ایسا ہے؟ شبلیات کا ایک ادنی طالب علم بھی اس سے اتفاق نہیں کرے گا، اس سے پہلے الفاروق شعر العجم اور خود سیرۃ النبی شائع ہو چکی تھی جس میں شبلی کے اسلوب بیان کی تمام خصوصیات موجود ہیں اور جن کا اعتراف ماہرین فن نے کیا ہے۔ مولوی صاحب کے ذہن میں شاید یہ بات رہی ہوگی کہ وہ

شعرالعجم کی شکل تو حافظ محمود شیرانی کے ذریعہ بگاڑ چکے ہیں اب کوئی اس کی شاندار نثر کا نام نہیں لے گا۔

اسی طرح خیالات کا بھی معاملہ ہے، خواتین کے سلسلہ تعلیم کے متعلق ان کے بعض خطبات اور کانفرنس کی تقریر سب کے سامنے تھی۔ ہاں شبلی نے عطیہ فیضی کی تعلیمی سطح اور آزادانہ روش پر قدغن لگانے کے لئے انھوں نے بر بنائے تربیت چند باتیں خطوط میں لکھی ہیں، اس کے بعد وہ اصل وجہ جسے بیان کرنے کے لئے بابائے اردو نے مذکورہ باتیں لکھی ہیں وہ یہ ہے کہ ان خطوں سے خلوص اور محبت کی بو آتی ہے، اور اسی کو ثابت کرنے کے لئے انھوں نے پورے مقدمہ میں زور مارا ہے۔ مثلاً اگلے پیراگراف میں وہ سید سلیمان ندوی کے اس جملہ پر کہ شعرالعجم صحیفہ حسن وعشق ہے واقعات کی کھتونی نہیں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ شعرالعجم واقعات کی کھتونی بھی اور صحیفہ حسن وعشق کی داستان بھی، لیکن اگر وہ ان خطوط کو دیکھتے اور اگر دیکھا ہے تو غور نہیں فرمایا کہ جس داستان کا تصور ان کے ذہن میں تھا وہ شعرالعجم میں نہیں ان خطوط میں ہے''۔

(خطوط شبلی ص ۱۷)

پھر بابائے اردو نے خطوط شبلی کے متعدد اقتباسات سے خلوص ومحبت کی بو کی دلیلیں پیش کی ہیں اور تقریباً تمام اقتباسات درمیان سے لے کر سیاق وسباق مٹانے کی کوشش کی ہے حتی کہ معانی ومفہوم بھی غلط نکالے ہیں۔ استنباط نتائج میں بھی غلطی کی ہے لیکن خوبی یہ ہے کہ درمیان میں بعض ایسے اقتباسات بھی درج کئے ہیں جن سے قاری یہ سمجھے کہ وہ صرف خلوص ہی کی بات نہیں کر رہے ہیں علمی وتعلیمی اور ادبی نکتے پر بھی ان کی نظر ہے، حالانکہ یہ سب انھوں نے اس لئے نقل کئے ہیں کہ وہ جو محل تعمیر کرنا چاہتے ہیں سب اس کے نقش ونگار کے کام آئیں، مثلاً ان خطوط میں خواتین کی تعلیم وتربیت پر جو خیالات آ گئے ہیں ان کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی راز ونیاز کی باتیں بھی دکھائی ہیں تاکہ وہ جو ثابت کرنا چاہتے ہیں قاری کا ذہن اس سے نہ ہٹے۔ جیسے جہاں شخص کا لفظ استعمال کرنا چاہئے وہ وہاں پر مرد کا استعمال کرتے ہیں تاکہ شخص سے شخصیت کا پہلو نہ نکلے بلکہ مرد سے عورت اور مرد کا تصور سامنے آئے۔ اسی طرح شبلی نے عطیہ کے اندر ادبی مذاق پیدا کرنے کے لئے شبلی نے جو اشعار یا غزلیں عطیہ کو بھیجیں اس سے یہی وہ مفاہیم نکالے جو علی العموم غزلوں سے پیدا ہوتے ہیں، اس کے بعد وہ پھر لکھتے ہیں:

''ان خطوط سے جیسا کہ میں شروع میں لکھ چکا ہوں محبت اور خلوص کی بو آتی ہے اس سے قبل مولانا کے رقعات کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں لیکن وہ اس داستان سے خالی ہیں، محبت کے ولولے اور راز ونیاز کی سرگوشیوں کا لطف لینا ہو تو ان رقعات کو پڑھنا چاہئے یہ وہ جوہر ریزے ہیں جو ہمارے ادیبوں اور انشا پردازوں کے کلام میں مشکل سے ملیں گے اور اگر ہیں بھی تو یا تو فرضی اور بناوٹی یا پایہ تہذیب سے گرے ہوئے ہیں''۔ (خطوط شبلی ص ۲۴)

ہمیشہ اور ہر ادبی وتنقیدی معاملہ میں حالی سے شبلی کا موازنہ کر کے شبلی کو ہیچ ثابت کرنے والا اندازہ کریں کہ کس طرح داد دے رہا ہے اور ابتداء میں جس خلوص ومحبت کی جس بو کا ذکر کیا تھا کیسے کیسے آہستہ آہستہ اس کو ایک داستان بناتا جا رہا ہے۔ اس کے بعد خطوط سے چند اقتباسات نقل کر کے اس داستان کو اور بھی رنگین بناتے ہیں بعد ازاں احتیاطاً چند جملے جن سے عطیہ کی تربیت مقصود ہے وہ بھی نقل کرتے ہیں تاکہ سیدھا ان پر الزام نہ عائد ہو۔

یہ رنگین داستان کی تخلیق دراصل شبلی کی بلند اور عظیم المرتبت شخصیت کو غارت کرنے کی ان کی اس کوشش کا انجام ہے جو انھوں نے گلشن ہند کے مقدمہ سے شروع کی تھی۔ یہ

خطوط ان کے لئے آخری تیر ثابت ہوئے۔

بابائے اردو نے خلوص ومحبت کی جو بو محسوس کی تھی در اصل اس میں کوئی برائی بھی نہیں تھی شبلی نے اپنے دوست حسن علی آفندی کی بیٹوں سے کام لینے کے لئے بڑی شفقت ومروت کا معاملہ کیا بھی ہے اور اس شفقت آمیز رویے کو بابائے اردو جو خود خلوص ومحبت کی بو سے مدۃ العمر نا آشنا رہے اسی غلط انداز میں محسوس کر سکتے تھے اور کیا۔ انھوں نے ایک آخری دلیل یہ بھی دی کہ شبلی اکل کھرا اور تنگ مزاج تھے باوجود اس کے انھوں نے کس درجہ نرم اور سبک انداز ان خطوط میں اختیار کیا ہے مگر بات اس سے بھی نہیں بنتی۔ مکاتیب شبلی کے متعدد مکتوبات سے اسی انداز کا احساس عام ہے اور وہ علامہ شبلی کے حسن وسلوک اور انتہائی دلفریب انداز نگارش سے مزین ہیں۔

مقدمہ کے آخر میں ان کی حسرت وتمنا نے الفاظ کا جامہ پہن لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''مولانا شبلی کی تصانیف کو ابھی سے لونی لگنی شروع ہوگئی ہے۔ زمانہ کے ہاتھوں کوئی نہیں بچ سکتا، وہ بہت سخت مزاج ہے مگر آخری انصاف اسی کے ہاتھ ہے۔ ان کی بعض کتابیں ابھی سے لوگ بھولتے جاتے ہیں اور کچھ مدت کے بعد صرف کتاب خانوں میں نظر آئیں گی، لیکن بعض تصانیف ان کی ایسی ہیں جو مدتوں شوق سے پڑھی جائیں گی اور انھیں میں یہ خطوط ہیں''۔ (ص ۳۶)

ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہوسکی آج وہ ہوتے تو دیکھتے کہ شبلی کا جلوہ ہندوستان سے آگے نکل کر عالم اسلام کو متحیر کر رہا ہے اور ان کی حیثیت ایک علمی رہنما کی قائم ہوچکی ہے۔ دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں تصانیف شبلی کے ترجمے ہوچکے ہیں اور ایک ایک کتاب کے پچاس پچاس ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں، شاید اسی بنا پر انھیں آخر میں اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا اور انھوں نے پاکستان جانے کے بعد شبلی کی تعریف وتحسین شروع کی اور ایک موقع پر جب عبداللطیف اعظمی نے ان سے ان کی مخالفت کا سبب پوچھا تو انھوں نے سرے سے مخالف ہونے ہی سے انکار کر دیا اور لکھا کہ یہ صریحاً غلط ہے۔ (ادیب شبلی نمبر ص ۱۵)

اس مقدمہ سے شبلی کی شخصیت کو نقصان ضرور پہنچا مگر خطوط شبلی میں ایسا کچھ نہ تھا جو بیان کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ خطوط آج سب کے سامنے ہیں ان کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے البتہ یہ مقدمہ پڑھے بغیر، اس مقدمہ کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ ذہن کو غلط راہ پر ڈال دیتا ہے اور صحیح نقطۂ نظر قائم نہیں ہونے دیتا، اس لئے ضروری ہے کہ جو لوگ مقدمہ پڑھیں وہ ڈاکٹر ابن فرید کا مقالہ ''شبلی چوں بہ خلوت می رود'' کا بھی مطالعہ کریں جس میں انھوں نے بابائے اردو کے غلط رخ کو صحیح رخ پر ڈالنے کی کوشش کی ہے یہ مقالہ ان کی کتاب ''میں، ہم اور ادب'' میں شامل ہے۔

اس مقدمہ کے بعد بابائے اردو نے شبلی کے خلاف کوئی قابل ذکر کام تو نہیں کیا بلکہ انھیں کرنے کی بھی اب ضرورت نہیں تھی، انھوں نے ایک لائق جانشین پیدا کر دیا تھا، چنانچہ منشی محمد امین زبیری نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور کئی کتابیں لکھیں اس کا حاصل ڈاکٹر وحید قریشی کی کتاب ''شبلی کی حیات معاشقہ'' ہے جو ۱۹۵۰ء میں لکھی گئی، گویا بابائے اردو نے شبلی کے خلاف جو مہم چھیڑی تھی وہ تقریباً پچاس برس قائم رہی، لیکن جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے۔ آج شبلی اور ان کے کارنامے ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کے روشن باب کا حصہ ہیں۔ اور تراجم کے ذریعہ ان کی کاوشیں افغانستان، ایران، ترکی، سعودی عرب، بیروت، مصر حتی کہ دوشنبے تک پہونچ گئی ہیں۔ ایران کے ایک شخص سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے پوری زندگی تصانیف شبلی کے فارسی تراجم میں گذار دی اور یہ سلسلہ ترکی، بیروت اور مصر میں اہل قلم یوسف پراچہ اور حفناوی کے ذریعہ آج بھی جاری ہے۔ کیا اسی کو لونی لگنا کہتے ہیں اور اگر یہی لونی ہے تو ابھی اور لگے گی۔

پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔صدر شعبۂ فارسی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔۳۲

''شبلی کی معرکۃ الآراء تحقیقی وتنقیدی تصنیف۔شعرالعجم''

شعرالعجم علامہ شبلی کی معرکۃ الآراء تحقیقی وتنقیدی تصنیف ہے یہ فارسی ادب میں تنقید کی پہلی کتاب ہے اس سے قبل فارسی ادب میں تنقید کا رواج نہیں تھا صرف شعراء کے تذکرے ملتے ہیں جن میں انکے منتخب کلام کے نمونے اور مختصر حالات زندگی لکھے جاتے تھے۔علامہ شبلی نے شعرالعجم لکھ کر فارسی ادب میں تنقید کی بنیاد ڈالی۔

شعرالعجم پانچ جلدوں پر مشتمل ہے پہلی تین جلدوں میں فارسی کے ممتاز شعراء کے حالات وکلام پر تبصرہ ہے۔چوتھی اور پانچویں جلد میں فارسی شاعری کی تمام اصناف سخن پر مدلل بحث کی گئی ہے۔شعرالعجم کی چار جلدیں مولانا شبلی کی زندگی میں ہی شائع ہوئیں اور پانچویں جلد انکے وفات کے بعد دارالمصنفین کی طرف سے شائع ہوئی۔شعرالعجم کی تصنیف کا کام ۱۹۰۶ء میں شروع ہوا اسکے متعلق خود شبلی بحوالہ ''مولانا شبلی پر ایک نظر'' صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں:

''۲، مارچ ۱۹۰۶ء کو میں اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا لیکن بیچ بیچ میں موازنہ انیس ودبیر اور الندوہ سد راہ ہوئے یہاں تک کہ ستمبر ۱۹۰۷ء کی چھٹی تاریخ کو دور اول کا پہلا حصہ انجام پذیر ہوا۔''

باقی حصوں کی تالیف اور اشاعت کے متعلق سید سلیمان ندوی کی پانچوی جلد کے دیباچے کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں:

''۱۹۰۸ء میں شعرالعجم کی جلد اول زیر طبع تھی دوسری اور تیسری زیر تصنیف ۱۹۰۹ء کے آخیر میں دوسری اور ۱۹۱۰ء میں تیسری جلد شائع ہوئی۔

شبلی نے جنوری ۱۹۱۰ء کے الندوہ میں مندرجہ ذیل نوٹ لکھا تھا:

''شعرالعجم کا چوتھا حصہ زیر تالیف ہے لیکن وہ اسقدر بڑھ گیا ہے کہ اسکے دو حصے کر دینے پڑے ایک حصہ مطبع میں جا چکا ہے اور چھپ رہا ہے لیکن دوسرے حصہ کو میں نے روک لیا ہے کہ مجھ کو سب سے مقدم مہتم باالشان کام یعنی سیرۃ النبی کی تالیف میں مصروف ہونا چاہئے اگر یہ کام انجام پا گیا تو شعرالعجم ہوتی رہیگی اسکی کیا جلدی ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی اسی نوٹ کا حوالہ دیکر شعرالعجم جلد پنجم صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں:

''اب یہی اوراق ممنوعہ چھ برس کے بعد دسمبر ۱۹۱۸ء میں شائع ہو رہے ہیں اور اس طرح سمجھنا چاہئے کہ شریعت حسن عشق کے یہ پانچوں صحیفہ تقریباً ۱۳، برس کے عرصہ میں بتدریج تکمیل کو پہونچے۔

شعرالعجم کی ان پانچوں جلدوں میں کیا ہے اس کی تفصیل خود علامہ شبلی کی زبانی شعرالعجم جلد اول صفحہ ۳ سے ملاحظہ ہو:

''کتاب کی اجمالی ترتیب یہ ہے کہ قدماء متوسطین اور متاخرین کے تین دور ہیں پہلا حنظلہ سے لیکر نظامی پر تمام ہوتا ہے دوسرا اسماعیل سے حابی تک تیسرا فغانی سے لیکر ابو طالب کلیم تک کلیم کے بعد شاعری شاعری نہیں رہی جیشاں گرمی بن گئی ان دوروں کے لحاظ سے کتاب تین حصوں میں منقسم ہے چوتھے حصے میں شاعری پر عام ریویو ہے اور یہی حصہ گویا کتاب کی جان ہے اور اسکی روح رواں ہے۔

علامہ شبلی نے پہلے حصہ میں تمہید اور سبب تصنیف،

شعرالعجم کے مآخذ اور شعراء کی حقیقت بیان کرنے کے بعد رودکی، دقیقی، عنصری، فرخی، فردوسی، اسدی طوسی، منوچہری، حکیم سنائی، عمر خیام، انوری، اور نظامی کے حالات پر تبصرہ کیا ہے۔ دوسرے حصہ خواجہ فریدالدین عطار، کمال اسماعیل، شیخ سعدی، امیر خسرو دہلوی، سلمان ساوجی، خواجہ حافظ اور ابن یمین، اور تیسرے حصہ میں فغانی شیرازی، ملک الشعراء فیضی، عرفی، نظیری نیشاپوری، طالم آملی، صائب اصفہانی، اور ابو طالب کلیم کے حالات پر مفصل اور مدلل تبصرہ ہے چوتھے اور پانچویں حصے میں جو اس سلسلے کی جان ہے اور اس کتاب کی روح ہے شاعری کی حقیقت اور ماہئیت ہے فارسی شاعری کی عام تاریخ شاعری پر تمدنی حالات اور دیگر اسباب کا اثر وغیرہ بتانے کے بعد فارسی کی رزمیہ شاعری پر ریویو ہے پانچویں حصہ میں بقیہ اصناف سخن یعنی قصیدہ، غزل، عشقیہ، صوفیانہ، فلسفانہ، اور اخلاقی شاعری پر تقریظ وتبصرہ ہے۔

جس زمانے میں علامہ شبلی شعرالعجم کی تالیف وترتیب میں مصروف تھے اسی موضوع پر ہندوستان اور یوروپ کے دو نامور مصنفین بھی مصروف کار تھے ہندوستان میں شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد اور انگلستان میں پروفیسر براؤن کی۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔ مولانا آزاد کی سخندان پارس شائع ہوئی اور انگلستان سے پروفیسر براؤن کے لٹریری ہسٹری آف پرشیا لیکن علامہ شبلی کا معیار نقدان دونوں سے الگ اور افضل تھا۔

آزاد کی سخندان پارس کے بارے میں ۶ مئی ۱۹۰۷ء کے ایک خط میں شبلی لکھتے ہیں۔ (بحوالۂ مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۱۴۷)

''آزاد کا سخندان پارس حصہ دوم نکلا سبحان اللہ میرے شعرالعجم کو ہاتھ نہیں لگایا۔''

علامہ شبلی شاعری کو ذوقی اور وجدانی چیز سمجھتے ہیں انکے خیال میں شاعری کی جامع اور مانع تعریف نہیں کی جاسکتی انکے نزدیک شاعری کا منبع ادراک نہیں احساس ہے اور یہی احساس جب الفاظ کا جامہ پہن لیتا ہے تو شعر بن جاتا ہے وہ شعرالعجم جلد چہارم صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں:

''شاعری اک آگ ہے جو خود بخود مشتعل ہوتی ہے ایک چشمہ ہے جو خود ابلتا ہے ایک برق ہے جو خود کوندتی ہے۔''

علامہ شبلی کا خیال تھا کہ جو جزبات الفاظ کے ذریعہ سے ادا ہوں وہ شعر ہیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شبلی شاعری میں جزبات کے قائل تھے جزبات کے بغیر شاعری کا وجود نہیں ہوتا جزبات سے مراد ہنگامہ و ہیجان پیدا کرنا نہیں بلکہ جزبات میں زندگی اور جوانی بیدار کرنا ہے۔ انکے خیال میں شاعری فنون لطیفہ میں بلند اور برتر حیثیت رکھتی ہے اور وہ سرخوشی بن کر حواس پر چھا جاتی ہے شبلی محاکات کی تعریف کرتے ہوئے شعرالعجم جلد چہارم صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں:

''محاکات کے معنی کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اس شئی کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔''

شاعری کیلئے محاکات کی صلاحیت کا ہونا لازمی ہے اسکے لئے تخیل کی بلندی لازمی چیز ہے شاعری میں تخیل جس قدر بلند درجہ کا ہوگا اسی قدر شاعری اعلیٰ درجے کی ہوگی شعر وشاعری کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے شبلی نے تشبیہ واستعارہ کی اہمیت پر زیادہ زور دیا ہے تشبیہ واستعارہ کا حسن اسکی ندرت اور جدت میں ہے اس جدت کو اسلوب وطرز ادا کیا جاتا ہے نئے انداز کے بغیر شاعری میں دلکشی نہیں پیدا ہوتی انداز واسلوب کی تعمیر میں الفاظ بڑا کام کرتے ہیں کیونکہ الفاظ کا حسن ہی شاعری کو دلکش بناتا ہے۔ شبلی کا خیال ہے کہ:

''شاعری انشاء پردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ ہی پر ہے گلستان میں جو مضامین اور خیالات ہیں ایسے اچھوتے اور نادر ہیں لیکن الفاظ میں فصاحت اور ترتیب وتناسب نے ان میں جو سحر بیدار کر دیا انہیں مضامین یا خیالات کو معمولی الفاظ میں ادا کیا جائے تو سارا اثر جاتا رہیگا۔ (بحوالہ دارالمصنفین کی ادبی خدمات صفحہ ۱۴۲)

علامہ شبلی نعمانی فارسی کے مشہور شاعر دقیقی کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے شعرالعجم جلداول ۴۲ پر لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے جس نے فارسی زباں کو عربی کی آمیزش سے پاک کر کے مستقل زبان کی حیثیت قائم کی وہ دقیقی ہی ہے اسکے سینکڑوں اشعار پڑھ جاؤ عربی کا لفظ نہیں آتا دقیقی کی بدقسمتی دیکھو کہ فخر کا تاج شہرت کے ہاتھوں نے اسے چھین کر فردوسی کے سر پر رکھ دیا اس نے بعض غزلیں مسلسل لکھیں ہیں اور یہ اس زمانے کے لحاظ سے بالکل نئی بات تھی جس کو لوگ نیچرل شاعری کہتے ہیں فارسی میں غالباً سب سے پہلے اس نے اسکی بنیاد قائم کی۔''

اسی طرح عنصری کے قصیدے کے متعلق شبلی شعر العجم جلداول صفحہ ۶۲ پر لکھتے ہیں:

''عنصری نے ترجیح شراب میں جو قصیدہ لکھا وہ اس قدر مقبول ہوا کہ تمام شعراء مابعد نے اس کی تتبع میں قصائد لکھے۔''

اسی طرح فرخی کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اسکا درجہ شعرالعجم جلداول صفحہ ۷۷ پر اس طرح متعین کرتے ہیں:

''فرخی اور قاآنی کا موازنہ کرو صاف نظر آئیگا کہ جو بات قاآنی کو ہزار برس کے بعد حاصل ہوئی فرخی کو اس وقت حاصل تھی، فرخی نے سلطان محمود کا جو مرثیہ لکھا وہ نہ صرف پر درد اور پر تاثیر ہے بلکہ اس فن کے تمام اصول اور آئین اسی سے قائم ہو سکتے ہیں۔''

اسی طرح فردوسی کے متعلق شعرالعجم جلد اول ۷۵ پر رقم طراز ہیں:

''اس کی قدرت زبان دیکھو ساٹھ ہزار شعر لکھ کر ڈال دئے اور عربی الفاظ اس قدر کم ہیں کہ گویا نہیں ہیں شاہنامہ اگرچہ بظاہر رزمیہ نظم معلوم ہوتی ہے لیکن تمام واقعات کے بیان میں تفصّل سے ہر قسم کے حالات آتے جاتے ہیں کہ کوئی شخص چاہے تو صرف شاہنامہ کی مدد سے اس زمانے کی تہذیب وتمدن کا پورا پتہ لگا سکتا ہے اس کو تقدس کا دعویٰ نہیں لیکن حسن وعشق کا کہیں موقع ہوتا ہے تو وہ آنکھیں نیچی کر لیتا ہے اور صرف واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ایک سرسری غلط انداز نگاہ ڈالتا ہوا گزر جاتا ہے عام خیال ہے کہ وہ بزم اچھی نہیں لکھتا لیکن شاہنامہ میں جہاں جہاں بزم کا موقع آیا ہے شاعری کا چمن زار نظر آتا ہے شاعری کا اصل کمال واقعہ نگاری اور جزبات انسانی کا اظہار ہے ان دونوں باتوں میں وہ تمام شعراء کا پیشرو اور امام ہے۔''

اسی طرح اسدی طوسی کی شخصیت کو صرف ایک جاندار جملے میں شعرالعجم جلداول کے صفحہ ۱۵۹ پر اس طرح مقید کرتے ہیں:

''اسدی طوسی اقلیم سخن رزم کا دوسرا تاجدار ہے۔''

اور منوچہری کی عظمت شعرالعجم جلداول ۱۷۵ پر اس طرح بیان کرتے ہیں:

''منوچہری شعراء عرب کی زیادہ تر تقلید کرتا ہے وہ حلیہ نگاری منتخبات کا موجد ہے۔''

اسی طرح رباعی کے مشہور شاعر عمر خیام کے متعلق شعرالعجم جلداول ۲۰۶ پر لکھتے ہیں:

''یہ عجیب بات ہے کہ خیام فلسفہ میں نجوم میں فقہ میں ادب میں تاریخ میں کمال رکھتا تھا لیکن اس کے ستاروں کے ساتھ اسکا افق شہرت بالکل تاریک ہے جس چیز نے آٹھ سو برس تک اسکے نام کو زندہ رکھا وہ چند فارسی رباعیاں ہیں اور یہی اسکی شہرت کے بال وپر ہیں ان رباعیوں کے ساتھ مسلمانوں نے جس قدر اعتنا کیا اس ہزاروں درجے بڑھکر یوروپ نے کیا۔''

علامہ شبلی نعمانی فارسی کے مشہور شاعر انوری کو فردوسی اور سعدی کے ہم پایہ تسلیم نہیں کرتے اسکو شعریت ہجو کا پیغمبر قرار دیتے ہوئے اسکے متعلق شعرالعجم جلداول ۱۴۸ پر لکھتے ہیں:

''ایران میں تین شاعر پیغمبر سخن تسلیم کیے گئے فردوسی، انوری اور سعدی لیکن اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ فردوسی اور سعدی کے پہلو میں انوری کو جگہ دی گئی وہ قصیدہ گوئی

کا پیغمبر سمجھا جاتا ہے جس طرح فردوسی اور سعدی مثنوی اور غزل میں یکتا تھے لیکن قصیدہ کا جو انداز چلا آتا تھا اس پر انوری نے کچھ اضافہ نہیں کیا انوری کے پیغمبری کے ثبوت میں کوئی معجزہ موجود نہیں ہے انوری کا سرمایہ فخر ہجو ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ اگر ہجو گوئی کی کوئی شریعت ہوتی تو وہی اسکا پیغمبر ہوتا۔''

مثنوی کے مشہور شاعر نظامی گنجوی کے متعلق شعرالعجم جلد اول ۲۵۵ پر فرماتے ہیں:

''نظامی نے پانچ مختلف بحروں میں مثنویاں لکھیں جس کی تقلید اس وقت سے آج تک تمام بڑے بڑے شعراء کرتے آئے ہیں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ترکیبوں میں چستی اور کلام میں زور بلندی اور شان وشوکت پیدا کی انکی قوت تخیل بڑی اور زبردست ہے شعر کے سینکڑوں انواع ہیں لیکن بڑی قسمیں یہ ہیں رزمیہ، عشقیہ، فلسفیانہ، اخلاقی ، جزبات انسانی کا اظہار اور مناظر کی تصویران میں ہر نوع کو نظامی نے لیا اور معراج ترقی تک پہونچا دیا، جزبات انسانی کی شاعری کو جس رتبہ پر نظامی نے پہونچا دیا فردوسی بھی اس خصوصیت میں اسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔''

شبلی صوفیانہ شاعری میں فرید الدین عطار کے مرتبے کے متعلق شعرالعجم جلد اول ۱۰۰ پر لکھتے ہیں:

''صوفیانہ شاعری کے چار ارکان ہیں سنائی، اوحدی، مولانا روم اور فرید الدین عطار خواجہ صاحب نے تصوف کے جو خیالات ادا کئے ہیں وہ حکیم سنائی سے زیادہ دقیق نہیں لیکن زبان اس قدر صاف ہے کہ اس وصف کا گویا ان پر خاتمہ ہو گیا ہر قسم کے خیالات اس بے تکلفی، روانی اور سادگی سے ادا کرتے ہیں کہ نثر میں بھی اس سے زیادہ صاف ادا نہیں ہو سکتے اسکے ساتھ قوت تخیل بھی اعلیٰ درجے کی ہے بہت سے نئے مضامین پیدا کئے اور جو پہلے بندھ چکے تھے انکو ایسے نئے پہلو سے ادا کرتے ہیں کہ بالکل نیا مضمون معلوم ہوتا ہے۔''

فارسی کے مشہور ترین شاعر سعدی شیرازی کے متعلق علامہ شبلی نعمانی شعرالعجم جلد دوم صفحہ ۹۵ پر رقم طراز ہیں:

''وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے غزل میں زاہدوں اور واعظوں کا پردہ فاش کیا ان کے بعد اگر چہ غزل میں بہت ترقی ہوئی خواجہ حافظ نے اس عمارت کو اس قدر بلند کر دیا کہ طائر خیال بھی وہاں تک نہیں پہونچ سکتا لیکن غور سے دیکھو تو اکثر مضامین اور طرز خیال کی داغ بیل شیخ نے ڈالی تھی وہ فطرتاً شاعر تھے زبان خداداد تھی ان باتوں نے مل کر انکی غزل میں یہ اثر پیدا کیا کہ تمام ایران میں آگ لگ گئی۔''

اسی طرح امیر خسرو کے متعلق شعرالعجم جلد اول ۱۴۱ پر لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک امیر خسرو کے درجے کا جامع کمالات پیدا نہیں ہوا اور سچ پوچھو تو اس قدر گوناگوں اوصاف کے جامع ایران اور روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو چار ہی پیدا کئے۔''

فارسی غزل کے بادشاہ حافظ شیرازی کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ شبلی شعرالعجم جلد دوم صفحہ ۲۱۹ پر لکھتے ہیں:

''حافظ شیرازی کو شاعری کے تمام اصناف پر قدرت حاصل تھی انکے قصیدے بھی کم نہیں مثنوی میں جو صفائی لطافت اور زور ہے کہ نظامی اور سعدی کا دھوکہ ہوتا ہے لیکن ان کا اصلی اعجاز غزل گوئی ہے یہ عموماً مسلم ہے کہ عالم وجود میں آج تک کوئی شخص غزل میں انکا ہمسر نہیں ہوسکا۔''

اسی طرح شعرالعجم کی تیسری جلد میں ہندوستان کے باکمال شعراء کا ذکر کرتے ہوئے عرفی شیرازی کے متعلق اپنی رائے شعرالعجم جلد سوم صفحہ ۹۷ پر اس طرح قائم کرتے ہیں:

''زور کلام جس کی ابتداء نظامی نے کی، اس کی کمال کے درجے تک پہونچا دیا اس نے سینکڑوں نئی نئی ترکیبیں اور نئے نئے استعارے پیدا کئے جن سے جدت اور طرفگی کے علاوہ نفس مضمون پر خاص اثر پڑا دوست اور دشمن دونوں نے اسکی

مضمون آفرینی اور نازک خیالی کا اقرار کیا اسکا ہر شعر جدت کی ایک نئی مثال ہے اسکا زور طبع اور فصاحت و بلاغت اور سوز وہاں نظر آتا ہے جہاں وہ قصائد میں کوئی مسلسل مضمون ادا کرتا ہے۔''

اسی طرح نظیری کے متعلق شعرالعجم جلد سوم ۱۲۹ پر لکھتے ہیں:

''الفاظ کے تراشنے کی شریعت کا اولوالعزم پیغمبر نظیری ہے۔''

اسی طرح فارسی کے مشہور شاعر صائب کا تذکرہ شعرالعجم جلد سوم صفحہ ۱۸۱ پر کرتے ہیں:

''ایران کی شاعری رودکی سے شروع ہوئی اور مرزا صائب پر ختم ہوگئی اسکا خاص انداز تمثیل ہے تمثیل کا طریقہ پہلے بھی تھا لیکن صائب نے اس کثرت سے اسکو برتا کہ اسکی چیز ہو گئی اسکو اس نے اخلاقی مضامین کیلئے خاص کر دیا۔''

علامہ شبلی ابو طالب کلیم کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے اس طرح شعرالعجم جلد چہارم صفحہ ۱۷۷ پر غور فکر کی دعوت دیتے ہیں:

''اس نے قصائد میں عرفی اور نظیری کی پیچیدہ اور مشکل بندشیں صاف کر دیں مبالغہ اور حسن تعلیل کو وسعت دی لیکن اسکے ساتھ قصیدہ کی متانت زور اور بلندگی کم ہوگئی اور غزلیت کا رنگ غالب آ گیا اسکا اصل کمال غزل گوئی ہے لیکن اسکا خاص رنگ مضمون بندی اور خیال آفرینی ہے۔''

شعرالعجم کی چوتھی جلد میں شعر و شاعری کی عظمت ایران میں شاعری کیونکر پیدا ہوئی فارسی شاعری کا اثر عرب پر وغیرہ جیسے عنوانات کے علاوہ لطافت الفاظ حسن ترکیب لطافت خیال اور پھر فردوسی کے شاہنامہ پر علامہ شبلی نے بہت ہی ناقدانہ و فاضلانہ تبصرہ کیا ہے شاعری پر آب وہوا اور سرسبزی و شادابی کے جو جو خیالات رونما ہوتے ہیں انکے متعلق علامہ شبلی شعرالعجم جلد پنجم صفحہ ا پر لکھتے ہیں:

''ملک کی آب وہوا سرسبزی وشادابی کا اثر خیالات پر پڑتا ہے اور اس ذریعے سے انشاء پردازی اور شاعری تک پہونچتا ہے عرب جاہلیت کا کلام دیکھو تو پہاڑ صحرا جنگل بیابان دشوار گزار راستے ببولولوں کے جھنڈ پہاڑی جھاڑیاں یہ چیزیں انکی شاعری کا سرمایہ ہیں لیکن یہی عرب جب بغداد میں پہونچے تو انکا کلام چمنستان اور سنبلستان بن گیا۔''

شعرالعجم کی پانچویں جلد میں شاعری کے تمام اصناف پر مدلل تبصرہ ہے اور ہر صنف کے ارتقاء اور خصوصیات پر تبصرہ اور نقد بھی کیا ہے۔

قصیدہ کے باب میں شبلی شعرالعجم جلد پنجم صفحہ ۲ پر رقم طراز ہیں:

''جس زمانہ میں شاعری کا آغاز ہوا عرب شاعری مدحیہ قصائد پر محدود تھی اسلئے ایرانی شعراء نے بھی انہیں کی تقلید کی ہے اسکے ساتھ صلہ اور انعام کی توقع صرف قصیدہ سے ہوسکتی ہے یہ اسباب تھے کہ ایران نے سب سے پہلے قصیدہ گوئی سے ابتداء کی۔''

فارسی قصیدہ نگاری کی بنیاد چونکہ مادی نفع پر پڑی اس لئے اس سے وہ کام نہیں لیا جاسکا جو اس سے لیا جاسکتا ہے اس سلسلے میں شبلی نے بڑی خوبی سے تجزیہ شعرالعجم جلد پنجم صفحہ ۳۲ پر کیا ہے:

''قوموں کا بننا ابھرنا انکے جزبات کا تازہ اور مشتعل ہوتے رہنا اس بات ہر موقوف ہے کہ انکے اوصاف کی صحیح داد دی جائے ان کے کارنامے نمایاں اور اجاگر کئے جائیں انکا ہر کام تاریخی صفحات پر چمکا دیا جائے۔''

آگے چل کر پھر قصیدہ کی خصوصیات واضح کرتے ہوئے علامہ شبلی شعرالعجم جلد پنجم صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں:

''عرب شعراء نے جن لوگوں کا ذکر قصیدہ میں کر دیا ہے انکا نام آج تک زندہ ہے ایرانی شعراء نے اپنے ممدوحوں کی شان میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا دئے لیکن ان کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔''

شبلی نے فارسی کے مشہور قصیدہ نگاروں مثلاً انوری، ظہیر فاریابی، خاقانی، کمال اسماعیل، محتشم کاشی، سنجر کاشانی، عرفی، قدسی، مشہدی، قاآنی، غالب، وغیرہ کے قصائد پر سنجیدہ اور متوازن تبصرہ کیا ہے۔

شبلی غزل کے باب کی ابتداء شعرالعجم جلد پنجم صفحہ ۵۲ پر میں اس طرح کرتے ہیں:

''عشق و محبت انسان کا خمیر ہے اس لیے جہاں انسان ہے عشق بھی ہے اور چونکہ کوئی قوم شاعری سے خالی نہیں اسلئے کوئی قوم عشقیہ شاعری سے خالی نہیں ہوسکتی۔''

آگے چل کر غزل اور قصیدہ کا موازنہ کرتے ہوئے شعرالعجم جلد پنجم صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں:

''غزل کو ایک مدت تک قصیدہ کے مقابلے میں عروج حاصل نہ ہوسکا کیونکہ شروع میں غزل کا اصلی عنصر قصیدہ ہی تھا قصیدہ میں ممدوح کی تعریف کی جاتی ہے اور غزل میں معشوق کی غزل کی تحریک عشق و محبت کے جزبات سے ہوتی ہے لیکن ایران میں مدت تک جنگی جزبات کا زور رہا۔''

غزل کی ترقی کے اسباب سے بحث کرتے ہوئے شبلی شعرالعجم جلد پنجم صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں:

''غزل کی ترقی کی تاریخ تصوف سے شروع ہوتی ہے تصوف کا تعلق تمام تر واردات اور جزبات سے ہے اور اسکی تعلیم کی پہلی ابجد عشق و محبت ہے تصوف کی ابتداء اگرچہ تیسری صدی میں ہوئی ہے لیکن پانچوی صدی اسکے اوج شباب کا زمانہ ہے اور یہی زمانہ غزل کی ترقی کا پہلا نوروز ہے۔''

فارسی غزل کا تزکرہ کرتے ہوئے علامہ شبلی نے رودکی، دقیقی، سنائی، اوحدی، مراغی، عطار، روم، عراقی، سعدی، سلمان، خواجو، حافظ، فغانی نظیری، ظہوری، طالب آملی، کلیم، ناصر، اور بیدل کی غزلیہ شاعری پر بہت ہی جامع تبصرہ کیا ہے۔

شعرالعجم کی اہمیت، عظمت، اور مخالفت

علامہ شبلی کا تنقیدی و تحقیقی شعور بہت نکھرا ہوا تھا عربی اردو اور فارسی ادبیات میں انہیں عبور حاصل تھا انہیں شعر و ادب سے بہت لگاؤ تھا انہوں نے تنقید کے عملی و نظری دونوں پہلوؤں کی طرف توجہ کی انکا خاص میدان شاعری کی تنقید ہے انہوں نے شاعری کے اصولوں پر بحث کیا اصناف سخن کے اصول وضع کئے اور شاعری پر عملی تنقید بھی کی انکی معرکتہ الآراء تنقیدی تصنیف شعرالعجم اس لحاظ سے خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتی ہے انکی اس تصنیف کو سامنے رکھکر انکے انداز تنقید کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے انہوں نے اسمیں جو تنقیدی نظریات پیش کئے ہیں اور انمیں سے ہر ایک پر بصیرت افروز اور خیال انگیز بحث کی ہے وہ قابل داد ہے انکا انداز بحث منطقی اور استدلالی ہے انہوں نے جو باتیں بھی کہی ہیں دلیل کے ساتھ کہی ہیں یہی وجہ ہے کہ انکی یہ بحث مشکل، خشک اور بے مزہ نہیں ہے۔ وہ شعرالعجم کی ابتداء اس شاعرانہ اور خطیبانہ انداز سے کرتے ہیں۔

''اسلام ایک ابر تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپے پر برسا۔''

علامہ اقبال 'ادیب' علیگڑھ ۱۹۶۰ء کے صفحہ ۱۳۲ پر شبلی اور شعرالعجم کے متعلق لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک شبلی میں ایسی نادر صفات موجود ہیں جنہوں نے انکو شعرالعجم کے مصنف بننے کا اہل بنایا اوّل تو انکی تاریخ دانی دوم انکی عربی دانی سوم شعر و سخن کا صحیح مذاق اور خود شاعر ہونا۔''

شعرالعجم کے متعلق مہدی افادی بحوالہ دارالمصنفین کی ادبی خدمات صفحہ ۱۹۲ پر لکھتے ہیں:

''شعرالعجم تنقید عالیہ (ہائی کریٹسزم) کا بہترین نمونہ ہے بلکہ انہیں اصرار ہے کہ صرف اردو لٹریچر میں نہیں بلکہ مشرق کی کسی زبان میں اس پایہ کی تصنیف موجود نہیں اور یہ دنیا کی شیریں زبان کی جزباتی لٹریچر کا ایک خوبصورت مرقع ہے۔''

شعرالعجم کی تاریخی غلطیوں اور واقعات کے عدم صحت کے بعض ناقدین نے گرفت کی ہے جسمیں محمود شیرانی کا

نام قابل ذکر ہے انہوں نے اپنی کتاب تنقید شعرالعجم میں شبلی کی بعض تاریخی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے لیکن کئی جگہ پر انکا قلم غیر محتاط ہوگیا ہے اور انکی تحریروں سے شبلی کی مخالفت کی بو آتی ہے پروفیسر کلیم الدین شبلی کی تنقید نگاری کے بارے میں اردو تنقید پر ایک نظر میں صفحہ ۱۰۷ پر لکھتے ہیں:

''کہنا پڑتا ہے کہ شبلی کا زاویۂ نظر شبلی کی تنقید کا ساز و سامان شبلی کا اسلوب انکی سب چیزوں میں پرانی تنقید کی صاف کارفرمائی ہے نئی تنقید کے اصول نئی تنقید کا زاویۂ نظر نئی تنقیدی تکنیک یہ سب چیزیں کہیں نہیں ملتیں۔''

ان سب تنقیدوں کے باوجود مولانا شبلی کی فضیلت علمی مسلم ہے مولانا کا اصل شاہکار شعرالعجم کا چوتھا اور پانچواں حصہ ہے اور انہیں حصوں سے مولا شبلی کی جامعیت وقت نظری بلندی مزاق فارسی زبان کے صحیح ذوق اور قوت انشاء پردازی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے انکا اصل مقصد تذکرہ الشعراء لکھنا نہیں تھا جہاں تک محمود شیرانی اور اسلم جیراجپوری کی تنقید کا سوال ہے یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ شبلی علم وادب کے جن جن میدانوں سے ایک شہ سوار کی طرح فاتحانہ انداز میں گزر جاتے ہیں انمیں سے اکثر و بیشتر میدانوں میں جیراجپوری اور شیرانی قدم بھی نہیں رکھ سکتے اس سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ شعرالعجم صحیفہ حسن وعشق ہے واقعات کی کھتونی نہیں۔

سید صباح الدین عبدالرحمان شعرالعجم کی تقدس میں اضافہ کرتے ہوئے اسکے متعلق مولانا شبلی پر ایک نظر کے صفحہ ۹۶ پر لکھتے ہیں کہ:

''یہ جلدیں اردو زبان وادب کی تو نہیں لیکن اردو زبان وادب میں تنقید نگاری کی زبور اور توریت کی حیثیت رکھتی ہیں جنکے ذریعہ سے شعرفہمی کی آیات معلوم ہونگی۔''

محمود شیرانی اپنی کڑی تنقیدوں کے باوجود شبلی اور شعرالعجم کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اردو ادب میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ:

''علامہ شبلی زمانہ حال کے ان چند مستند فاضل میں سے ہیں جن کا وجود مسلمانوں کیلئے ہمیشہ مایۂ ناز رہیگا انکی متعدد تصانیف نے آسمان علم پر انکو آفتاب بن کر چمکایا اب تک فارسی اور اردو میں جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں شعرالعجم انمیں بغیر کسی استنباد کے بہترین تالیف مانی جاسکتی ہے۔''

پروفیسر مظفر علی شہ میری

وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹیڈ کرنول

غـــزل

جو ہوا ہے ہو چکا ہے، سر کھپا کر کیا کروگے
دل جلا کر کیا کروگے، غم اٹھا کر کیا کروگے

رات بھر تم بیٹھتے رہنا بادلوں کی اوٹ ہی میں
شہر اندھوں سے بھرا ہے، جگمگا کر کیا کروگے

جو بنانے جارہے ہو، درحقیقت قید ہے وہ
تم مسافر دشت کے ہو، گھر بنا کر کیا کروگے

ان کے کانوں میں کسی نے پگھلا سونا بھر دیا ہے
روز وشب دروازہ ان کا کھٹکھٹا کر کیا کروگے

اب کہاں وہ موج مستی، کھل کے ہنسنا، مسکرانا
جسم پتھر بن گئے ہیں، گدا گدا کر کیا کروگے

اک ذرا سا مسکرا کر دل ہی کر دو کسی دن
ہم فقیروں کا ہمیشہ دل دکھا کر کیا کرو گے

دل کے زندہ رہنے پر ہی سر کی عزت ہے مظفر
دل پہ تم نے خاک ڈالی سر بچا کر کیا کرو گے

ڈاکٹر محمد رفیق۔ شعبہ عربی مانو

خالد سیف اللہ رحمانی کی ''آسان تفسیر: قرآن مجید'' ایک تنقیدی جائزہ

تمہید: ایک زبان سے دوسری زبان میں اہم معانی کو ان کے عین مطابق منتقل کرنا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن کے قریب ہے، البتہ عام اور آسان معانی کو منتقل کرنا بڑی حد تک ممکن ہے، لیکن معانی میں اگر کیفیت اور گیرائی ہو تو ان کا حق ادا کرنا آسان نہیں ہوتا اور معاملہ جب کلام الٰہی کا ہو تو بڑی ذمہ داری کی اور مشکل بات ہوتی ہے۔ لیکن قرآن مجید کتاب ہدایت ہے اور اللہ رب العزت کے حکموں اور ہدایتوں کو سمجھنے کے لیے اس کے معانی سے واقف ہونا ضروری ہے، لہذا زبان اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھنے والے اور پختہ استعداد لوگوں کی طرف سے طالب ہدایت لوگوں کے لیے ترجمہ کا کام انجام دیا گیا ہے، تاکہ عربی نہ جاننے والے لوگوں تک ہدایت الٰہی کے امور ضروری حد تک پہنچائے جاسکیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب کے وقت سے اردو زبان میں عربی نہ جاننے والوں کے لیے قرآن مجید کے ترجمہ کا سلسلہ شروع ہوا اور متعدد جید علماء نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق یہ خدمت انجام دی، پھر اردو زبان بننے کے بعد اردو میں یہ کام بتدریج علماء کی کوششوں کا میدان بنا۔

اردو زبان میں جیسے جیسے ترقی ہوتی، اس کے مختلف انداز اور ادائیگی معانی ترقی ہوئی اور اردو نے خاص طور پر عربی زبان سے فائدہ بھی اٹھایا، لہذا اس میں عربی زبان کے معانی کی منتقلی بہتر ہوئی اور قرآن مجید کے متعدد و معتبر ترجمے تیار ہوئے۔

زیر تبصرہ ترجمہ و تفسیر ''آسان تفسیر قرآن مجید'' برصغیر کے ممتاز فقیہ، محدث اور داعی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی عظیم کاوش ہے، مولانا موصوف عرصۂ دراز تک اسلامی علوم وفنون کی درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقریر وتحریر کا ایک انوکھا انداز عطا کیا ہے، آپ کی تحریریں زبان وادب اور شائستگی اور شگفتگی کا نمونہ ہوتی ہیں، آپ نے اپنے چند محبین کی خواہش واصرار پر قرآن کریم کی یہ بیش بہا خدمت انجام دی ہے، جو یقیناً اردو داں حضرات کے لیے ایک قیمتی علمی تحفہ ہے۔

اس ترجمہ میں عربی قواعد کی پیروی کی گئی ہے، عربی زبان وادب کی پوری رعایت برتی گئی ہے اور دو جملوں کی ساخت میں اردو تعبیرات ومحاورات کو نہایت خوش اسلوبی سے استعمال کیا گیا ہے، ترجمہ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ قرآنی آیات کے الفاظ ومعانی پر وارد ہونے والے اعتراضات ترجمہ سے رفع ہو جائیں، لفظی ترجمہ کے بجائے بامحاورہ ترجمہ کیا گیا تاکہ آیت کو سمجھنے میں پیچیدگی اور دشواری نہ ہو۔

ترجمہ کے ذیل میں تفسیری حاشیہ ہے جو مختصر لیکن نہایت ہی جامع ہے اس میں جو بات لکھی گئی ہے پوری تحقیق کے بعد لکھی گئی ہے، ازل اول تا آخر مصادر اصلیہ سے مراجعت کا التزام کیا گیا، مستند ومتداول عربی واردو تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے، فقہی مسائل مستنبط کیے گئے ہیں، قرآن کریم کے اعجازی پہلوؤں کو اور خاص طور پر سائنسی اعجاز کو واضح کیا گیا ہے، مشکل وپیچیدہ مباحث بھی عام فہم اسلوب میں سمجھائے گئے ہیں۔

ترجمہ کی خصوصیات:

(۱)سلاست وروانی: مولانا موصوف کا یہ ترجمہ سلیس ورواں ہے، مولانا نے آیات قرآنی کا ترجمہ اس خوش اسلوبی سے کیا ہے کہ نہ روانی پر اثر پڑتا ہے اور نہ معانی میں خلل آتا ہے۔سورۃ آل عمران کی آیت نمبر۱۵۳ کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

اذ تصعدون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم فی آخرتکم فاثابکم غما بغم بکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابیکم

(اے مسلمانو! وہ وقت یاد کرو) جب تم چڑھے چلے جارہے تھے کسی کی طرف مڑکر بھی نہیں دیکھتے تھے اور رسول تم کو پچھلی صف سے پکار رہے تھے، چنانچہ اللہ نے تم کو اس رنج کے بدلہ رنج سے دوچار کیا، تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور جو مصیبت تم کو پہنچے اس سے تم رنجیدہ خاطر نہ ہوا کرو۔

(۲)اردو زبان کی چاشنی: مولانا اپنے ترجمہ میں زبان وبیان کی چاشنی بھی برقرار رکھی ہے۔مثلاً ''**لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الباب** '' کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں (بیشک ان لوگوں کی داستانوں میں سمجھدار لوگوں کے لیے عبرت کا سامان ہے)۔اسی طرح ''**وتعذ من تشاء وتذل من تشاء** '' کا ترجمہ کیا ہے۔جسے چاہیں عزت سے ہمکنار کریں اور جسے چاہیں ذلت سے دوچار۔

(۳)اردو محاورے کی رعایت: ترجمہ کے دوران اردو محاورات وتعبیرات کا نہایت ہی خوبی اور شائستگی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

(الف) ارایتم (سورۃ ملک:۳۰) بھلا دیکھو تو سہی۔

(ب) **وانی لاظنک یفرعون مثبوراً** (بنی اسرائیل:۱۰۲) اے فرعون میرا خیال ہے کہ ضرور تیری شامت آچکی ہے۔

اب ہم ترجمہ کے چند نمونوں کے بعد کچھ حواشی بطور نمونہ پیش کرتے ہیں، جس سے مولانا کے ذوق اور تفسیری خدمت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔

رب العالمین کے حاشیے میں لکھتے ہیں اللہ کو رب العالمین کہہ کر اس طرف اشارہ ہے کہ تمام عالم ہر لمحہ خدا کی ربوبیت کا محتاج ہے، ایسا نہیں کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کرکے چھوڑ دیا ہو، اب از خود پورا نظام کائنات چل رہا ہو اور کائنات خدا کی محتاج نہ رہی ہو، جیسا کہ بعض فلاسفہ اور ملحدین کا نقطۂ نظر تھا، اسی غلط خیالی کی تردید کے لیے قرآن مجید نے اللہ کی شان ربوبیت کا بار بار ذکر کیا ہے۔

وان منھا لما یحبط من خشیۃ اللہ کے حاشیے میں لکھتے ہیں: رہ گیا پتھروں کا اللہ سے ڈرنا تو یہ کچھ باعث تعجب نہیں۔نباتات میں تو احساس پائے جانے کو آج کی سائنس نے دریافت کرلیا ہے، عجب نہیں کہ آئندہ جمادات میں بھی احساسات کے پائے جانے کو خود انسان دریافت کرلے۔

یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

معروف کے اصل معنی مشہور اور جانی پہچانی بات کے ہیں، یعنی وہ بات جو عام رواج اور چلن کی وجہ سے جانی پہچانی ہوئی ہو، منکر کا لفظ اس کے مقابلے میں ہے، یعنی ایسی بات جو خلاف عادت اور ان پہچانی ہو۔ بھلائی کو معروف اور برائی کو منکر سے تعبیر کرکے قرآن مجید نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ نیکیوں کا سماج میں عام چلن ہونا چاہئے اور برائیوں کا وقوع اس طرح ہو کہ گویا خلاف عادت اور خلاف معمول ایک بات پیش آگئی ہے۔

یا ایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ کے حاشیے میں رقمطراز ہیں:

یہ اسلام کا ایک انقلابی نظریہ ہے کہ جیسے خدا ایک ہے ویسے ہی پوری انسانیت ایک ہی باپ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو انسانیت کی طبقاتی تقسیم اور رنگ ونسل کی بنیاد پر اونچ نیچ کے تصور کا قلع قمع کرتی ہے۔ ہندو مذہب میں یہ تصور

تھا کہ کچھ لوگ خدا کے منہ سے کچھ لوگ اس کے بازوؤں سے ، کچھ لوگ اس کی رانوں سے اور کچھ لوگ اس کے پاؤں سے پیدا ہوتے ہیں، اس لیے پیدائشی طور پر انسانیت کا ایک طبقہ معزز اور دوسرا ذلیل ہے، اس طرح کی طبقاتی تقسیم کم وبیش اکثر مذاہب اور نظام ہائے حیات میں موجود رہی ہے، لیکن قرآن کہتا ہے کہ تمام انسانوں کی پیدائش انسان اول سے ہوتی ہے، اس لیے وہ سب بحیثیت انسان برابر ہیں، محض رنگ ونسل اور علاقہ وزبان کی بنیاد پر ان میں تفریق کی گنجائش نہیں۔

وخلقها منها زوجها کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام ہی سے ان کا جوڑا حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، اس میں ایک بلیغ حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ عورت مرد کا ایک حصہ اور اس کی تکمیل ہے، آج عورتوں کی آزادی کے نام سے جو تحریکیں چل رہی ہیں، انہوں نے مردوں اور عورتوں کو دو فریق بنا دیا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنے فریق کے تئیں مخاصمت کا جذبہ زیادہ رکھتا ہے۔ محبت تصور کریں اور ظاہر ہے کہ اپنے جزء کے تئیں محبت اور ایثار کا جذبہ ہوا کرتا ہے نہ کہ مقابلہ اور مخاصمت کا۔

واقعہ یہ ہے کہ آسان تفسیر قرآن مجید کا ہر ہر صفحہ اس قسم کی دلچسپ، نادر، مفید اور باتحقیق باتوں سے معمور ہے۔ اس کا مطالعہ، علمی، فکری، قلبی، ذہنی وسعت کا سبب ہوگا اور قرآن کریم سے والہانہ محبت میں اضافہ کرے گا۔

محبوب خان اصغر۔ حیدرآباد

غزل

لمحہ درد بھی ہے لمحہ خوش تر بھی ہے
منظر فکر میں ویرانہ بھی ہے گھر بھی ہے
زینہ کذب سے اونچائی کو چھونے کا جنوں
نشہ آور ہے مگر فتنہ محشر بھی ہے
وہ جو عادی ہیں جہنم کے کہا کرتے ہیں
ہم کو فردوس سی راحت تو یہاں پر بھی ہے
جتنے فنکار ہوئے دانش بے سمت ہوئے
خوب ہے عرضِ ہنر غیر موثر بھی ہے
دور تک جانا تعاقب میں حسیں تتلی کے
ذوق طفلانہ سہی ذوق معمر بھی ہے
خوب منصوبے بناتی ہے ذہانت گرچہ
اوج تدبیر کی سرحد پہ مقدر بھی ہے
اڑنے لگ جائے تو سمجھو نا فلک زادہ ہوا
حظ پرواز بصیرت تو زمیں پر بھی ہے
شعری اظہار فکاہت کی فسوں کاری سہی
شعر اصغر میں مگر حکمت اصغر بھی ہے

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم (اقامتی وغیر اقامتی ادارہ)

شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد

زیر انتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Ac No: 1327104000065876 Bank Name: IDBI
Ac N: SHIBLI INTERNATIONAL ADUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFS: IBL0001327. Branch: Charminar Hyderabad (T.S)

ابو ہریرہ یوسفی۔ پورہ معروف مئو یوپی 9198568565

سوشل میڈیا کا صحیح استعمال استفادہ کا بہترین ذریعہ

سوشل میڈیا ایک ایسا آلہ کار ہے، جو استعمال کرنے والوں کو تصاویر ویڈیوز اشتراک کرنے، اظہارِ رائے، تبادلہ خیال اور ایک دوسرے سے تعلقات قائم کرنے کی کھلی آزادی دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے اور دورِ جدید میں اس کا استعمال بھی بکثرت ہونے لگا ہے، ہر خاص وعام اور چھوٹے بڑے، حتی کہ کم سن بچوں کے بھی اوقات فیس بک اور وہاٹس ایپ پر صرف ہونے لگے ہیں اور اب تو انتہائی مصروف ترین انسان بھی اپنا کچھ نہ کچھ وقت سوشل میڈیا پر دینے لگا ہے۔

سوشل میڈیا کی بدولت پوری دنیا انگلی کی جنبش پر آچکی ہے، گویا پوری دنیا مٹھی میں ہوگئی ہے، ہم جب چاہیں دنیا کے کسی بھی ملک کے حالات واخبار پر سیکنڈوں میں نظر رکھ سکتے ہیں اور دنیا کے کسی بھی شخص سے اپنا رشتہ قائم کرسکتے ہیں۔

ویسے سوشل میڈیا کو یکسر نقصانات کا باعث نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اور نا ہی مکمل فوائد کا ذریعہ کہا جاسکتا ہے، تاہم اس کا استعمال خود پر منحصر ہے، جس طریقے سے ہم استعمال کریں گے، اسی کے مطابق اس کے ثمرات ظاہر ہوں گے، اس کے ذریعہ اچھے مقاصد بھی حاصل کیئے جاسکتے ہیں، چنانچہ دیکھا جا رہا ہے کہ اس وقت سوشل میڈیا میں وہ نیک بندے بھی دلچسپی لینے لگے ہیں، جن کے بائیں کندھے پر بیٹھے فرشتے کو برائی لکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا، ایسے نیک لوگ سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہیں، پھر بھی وہ گناہوں سے مبرا رہتے ہیں، اس لئے کہ وہ اچھے طریقے سے استعمال کرتے ہیں، ایسے افراد کو دوست نہیں بناتے ہیں، جو غلط تصاویر اور ویڈیوز شیئر، پسند اور اس پر تبصرہ کرتے ہیں، وہ لایعنی پیج کو لائک نہیں کرتے ہیں، کسی فرضی یا لڑکی کے نام اکاؤنٹ سے آئی درخواست کی توثیق نہیں کرتے ہیں اور فحش مواد پر مبنی سائٹس پر نہیں جاتے ہیں، اس طریقے سے سوشل میڈیا استعمال کرنے والوں کے لئے فائدہ مندہ ہے، تاہم ایسے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، جو صرف وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کرتے ہیں، وہ محض ذاتی اور دوسروں کی تصاویر ہی شائع کرتے ہیں، بعض مرتبہ کم تعلیم یافتہ نوجوان بلاتحقیق فرضی خبریں اور فرضی احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے پوسٹ کرتے ہیں، ایسی حرکت کرنے والے اپنے لیے آخرت میں جہنم تیار کرتے ہیں۔

مسلم سماج کی نئی نسل ایسی بھی ہے، جو عریاں تصاویر زنا کاری کی ویڈیوز لائک اور اشتراک کرنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے، ایسی ناشائستگی کرنے والے جان لیں کہ یہ ایسا گناہ ہے، جس کا سلسلہ خدا جانے کب تک جاری رہے گا، اس لئے کہ ہماری شیئر کی ہوئی چیزیں اپنے اکاؤنٹ تک محدود نہیں رہتی ہیں، بلکہ اس کی شیئرنگ کا دائرہ شبانہ روز وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، بے شمار لوگ ہماری پوسٹس کو دیکھتے ہیں، پھر وہ بھی شیئر کردیتے ہیں، اگر ہم اس کو حذف کرنا بھی چاہیں تو انتہائی مشکل ہے، ذاتی آئی ڈی سے تو ختم کرنا آسان ہے، لیکن ان

سیکڑوں اور ہزاروں لوگوں کے اکاؤنٹ سے کس طرح حذف کرنا ممکن ہے، جنہوں نے ہماری پوسٹ کو محفوظ کر کے شائع کیا ہے، لہذا ہم ذاتی طور پر گناہ کے مرتکب ہوئے ہی، دوسری طرف ان لاتعداد لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہمارے سر آئے گا اور اس سنگین گناہوں کا سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہے گا، اس لئے ہمیں فحش اور گناہ کی موجب چیزیں سوشل میڈیا پر اشتراک کرنے سے ہر ممکن گریز کرنا چاہئے اور اس کا استعمال صحیح اور محتاط انداز میں کرنا چاہئے۔

مشاہدے سے یہ بات واضح ہے کہ سوشل میڈیا کے ذریعہ بہت سارے فتنے بھی ابھر رہے ہیں، چنانچہ آج کل فیس بک اور وہاٹس ایپ پر ایسے لوگ بھی ہیں، جن کا مشغلہ دوسرے مکتبہ فکر کے خلاف تحریریں ارسال کر کے ملت میں انتشار پھیلانا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے مسلک کے حامی حضرات اس کے خلاف تبصرہ کرتے ہیں اور یہ سلسلہ تبصرہ طول پکڑتے پکڑتے گالی گلوج کے ساتھ ساتھ بعض مرتبہ اسلافِ دین اور مذہبِ اسلام کی توہین تک پہنچ جاتا ہے، بعض مرتبہ دانستہ طور پر کسی مذہب اور اس کے پیشوا کے خلاف نا زیبا الفاظ اور قابلِ اعتراض تصاویر کے ذریعہ لوگوں کو مشتعل کیا جاتا ہے اور بات فساد کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔

سوشل میڈیا پر ایک اور فتنہ تیزی سے وائرل ہو رہا ہے، بہت سے لوگ بحوالہ حدیث لکھ کر بھیجتے ہیں اور اس کے نیچے لکھا رہے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس حدیث کو شیئر کرے گا، دوسروں تک پہنچائے گا، اس کے اوپر جنت واجب ہے، واضح رہے کہ کسی بھی حدیث کے نیچے اس طرح کے لکھے جملے منقول نہیں ہیں۔

دوسری طرف کلمہ طیبہ یا کچھ عربی کلمات لکھ کر بھیجا تا ہے اور اس کے اوپر یا نیچے لکھا رہے گا کہ اگر آپ نے اس کو سات یا دس لوگوں تک پہنا چایا تو آپ کے گھر میں خوش حالی آئے گی، نوکری لگ جائے گی اور ہر تمنا کی تکمیل ہو جائے گی اور ایک شخص نے اس کو دیکھنے کے باوجود نظر انداز کر دیا، جب صبح اٹھا تو اس بیٹا مر گیا، شام ہوئی تو اس کی بکری مر گئی۔ افسوس اس وقت ہوتا ہے، جب تعلیم یافتہ لوگ ایسی باتیں شوسل میڈیا کے حوالے کرتے ہیں، اس لئے ہمیں ایسی باتوں پر توجہ نہیں دینی چاہئے اور نا ہی اس پر اعتماد کر کے شیئر کرنی چاہئے۔

آج کل ایسی علمِ غیب اور مستقبل کی خبریں دینے والی مختلف قسم کی سائٹس بھی منظر عام پر آرہی ہیں، جس میں لکھا رہے گا کہ اس لنک پر کلک کریں اور جانیں کہ آپ کب کیسے اور کس حال میں مریں گے، مزید کتنے سال زندہ رہیں گے، آپ کی شادی کس غنی لڑکی سے ہوگی، آپ کس عمر میں انتہائی مالدار ہوں گے، آئندہ آپ کی کس بڑی شخصیت اور حکمراں سے ملاقات ہوگی، آپ کس قابل شخصیت کے مالک ہیں، آپ کے اندر کون کون سی صلاحیت موجود ہے، کس بنیاد پر آپ کے دوست آپ کو پسند و ناپسند کرتے ہیں۔ اس طرح کے بے شمار اردو میں لکھے جملے بطور نجومی سوشل میڈیا پر نظر آتے ہیں، جس پر تیزی سے ہمارے ایمان والے بھائی بہن سرچ کرتے ہیں اور ہم اپنا مستقبل جاننے کے لئے اس پر یقین کرتے ہیں، جب کہ مستقبل اور غیب کا علم صرف اللہ کو ہے اور جو ایسی باتیں بتانے کا دعویٰ کرے، پھر اس پر کسی مسلمان کا اعتبار کرنا، حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور یہ ایمان کے لئے خطرہ بھی ہوسکتا ہے، لہذا ہمیں اس طرح کی سائٹس کو ناقابل اعتبار سمجھنا چاہئے اور اس کی تردید بھی کرنی چاہئے، مگر بسا اوقات مذہبی تعلیم یافتہ لوگ بھی ایسی کفریہ سائٹ پر اپنا مستقبل معلوم کرتے ہیں اور اس کو فیس بک پر شیئر بھی کر دیتے ہیں۔

اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو سوشل میڈیا کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ سامنے آرہے ہیں، نئی نسل کا مستقبل سوشل میڈیا تنزلی کی طرف لے جا رہا ہے، ان کے قیمتی اوقات زیادہ تر اسی پر ضائع ہو رہے ہیں، پیسے کی بربادی، تعلیمی معیار میں کمی، مطالعہ کتب سے دوری، اخلاق میں گراوٹ، مذہبی

اعمال میں کوتاہی، بڑوں کی بے ادبی، والدین کی طرف بے توجہی جیسے بے شمار مسائل نسلِ جدید میں دن بدن پیدا ہو رہے ہیں، حالانکہ شوسل میڈیا کی ایجاد سے قبل اس طرح کے تباہ کن مسائل کے اوسط بہت کم تھے، اس لئے شوسل میڈیا کے غلط استعمال پر قدغن لگانا ضروری ہے، اس میں سب سے بڑی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے، لیکن اکثر گھروں کے سرپرست شوسل میڈیا سے لاعلم ہیں، جس کی وجہ سے اپنے بچوں کی شوسل میڈیا پر جاری سرگرمیوں پر نظر رکھنا مشکل ہے، ایسی صورت میں انہیں بھی کچھ معلومات حاصل کرنی چاہئے، تاکہ تربیت میں آسانی پیدا ہو سکے۔

شوشل میڈیا کو معلومات اور دوسرے استفادات کا ذریعہ تو کہا جا سکتا ہے، تاہم کمسن بچوں اور طالب علموں کے لئے سراسر مضر اور زہرِ ہلاہل سے کم نہیں ہے، قابل تشویش بات یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ اس سے بجائے فائدہ اٹھانے کے برائیوں کو فروغ دے کر گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں، اس سے تشویش ناک بات تب ہو جاتی ہے جب ہم شوشل میڈیا کو دوسروں کی دل آزاری اور دل شکنی کا سبب بنانے لگتے ہیں، ہم نے بارہا اور بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اکثر و بیشتر اپنے ہی محلے اور گاؤں کی بہنوں کی تصاویر فیس بک پر شائع کرتے رہتے ہیں، پھر کچھ منچلے نوجوان اس کو شیئر کرنے لگتے ہیں، اور معاملہ صرف یہیں تک نہیں رہتا ہے بلکہ اس تصویر پر غیر مہذب تبصرے بھی ہونے لگتے ہیں اور کچھ تو اس لڑکی کی تصویر باقاعدہ اپنے فون میں محفوظ کر لیتے ہیں، پھر اس کو اپنے دوستوں کے واٹس ایپ پر تیزی سے ارسال کرنے لگتے ہیں۔ ایسی حرکت کرنے والے نوجوانوں کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ اپنے ہی محلے اور پڑوسی کی بہنوں کی عزت تار تار کرنے سے ذرا سا بھی خوف نہیں کھاتے، جو لڑکی کبھی بے پردہ باہر نہیں نکلی، آج اس کی تصویر شوشل میڈیا پر گھوم کر رہی ہے۔ ہمارے علاقے کے نوجوان اور بچے اس طرح کی حرکات کرنے سے پہلے ذرا سا بھی غور نہیں کرتے کہ جس لڑکی کی تصویر شیئر کی گئی ہے، اس کے بھائی اور باپ کی نظر اس پر پڑتی ہوگی، یا پھر وہ کسی سے سنتا ہوگا کہ تمہارے بہن کی تصویر فیس بک اور واٹس ایپ پر گشت کر رہی ہے، تو ہم خود غور کریں کہ اس کے دل پر کیا گزرتی ہوگی، اگر یہی حرکت کوئی ہماری بہن یا بیٹی کے ساتھ کرے تو یقیناً ہم اس کو جلد از جلد مارنے کو ہی ترجیح دیں گے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ اپنی دینی بہن یا کسی بھی صنف نازک کی تصاویر شیئر نہ کریں، سوشل میڈیا کو دینی و دنیاوی معلومات، دیگر جائز استفادات اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا ذریعہ بنائیں۔

معین افروز۔ حیدرآباد

غزل

اپنے سائے سے بھی اونچا میرا قد ہے حد ہے
اپنے افکار سے آگے مری حد ہے حد ہے
سوچتا ہوں کہ تعلق نہ بناؤں تجھ سے
اور پھر تیری ضرورت بھی اشد ہے حد ہے
تم ہی کہتے ہو کہ دیمک ہے حسد کی لکڑی
اور پھر دل میں تمہارے ہی حسد ہے حد ہے
عید کا چاند اگر دیکھ لیا ہو تو سنو
تم جہاں پر ہو کھڑے میری لحد ہے حد ہے
سب سے کہتے ہیں کہ آنسو ہے خوشی کے لیکن
مجھ سے کہتے ہیں ہنسی غم کی سند ہے حد ہے
یاد آتے ہیں تو روتا ہوں نظر آئیں تو اور
ان کا غم ہی میری سانسوں کی رسد ہے حد ہے
نفس پر بعد میں قابو کر و افروز میاں
اپنے قبضے میں کہاں اپنا جسد ہے حد ہے

ڈاکٹر نوری خاتون۔ اسسٹنٹ پروفیسر (سی) عثمانیہ یونیورسٹی کالج فار ویمنس کوٹھی

ڈاکٹر راحت سلطانہ کی ادبی خدمات

سرزمین دکن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں پر اردو نے ادبی شکل اختیار کی۔ ابتداء میں صوفیائے کرام نے اس کی آبیاری کی، پھر دکنی سلاطین نے اسے خوب پھلنے و پھولنے کے مواقع فراہم کیے۔ دکنی سلاطین کی خصوصی دلچسپی کی بدولت یہ زبان ترقی کے مدارج طے کرنے لگی۔

دکن یعنی جنوبی ہند میں جہاں مرد شعراء نے اردو زبان میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں وہیں خواتین شاعرات نے بھی اپنے جذبات واحساسات وخیالات کو جو صدیوں سے دلوں میں ہی دفن تھے۔انہیں شاعری کے ذریعہ منظر عام پر لایا اس ضمن میں پہلا نام لطف النساء امتیاز کا ہے انہیں اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے،اس کے بعد ماہ لقا چندا بائی،لطیف النساء لطیف،نوشابہ خاتون، وحیدہ نسیم،بشیر النساء بشیر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

موجودہ دور میں بھی سرزمین دکن نے اردو زبان وادب کو بیسوں خواتین شاعرات وادیبوں سے نوازا۔ ان میں پروفیسر سیدہ جعفر، پروفیسر اشرف رفیع، پروفیسر حبیب ضیاء، پروفیسر فاطمہ پروین،محترمہ جیلانی بانو، ڈاکٹر فریدہ زین، ڈاکٹر صابرہ سعید، ڈاکٹر آمنہ تحسین، ڈاکٹر صبیحہ نسرین،محترمہ نسیمہ تراب الحسن، ڈاکٹر راحت سلطانہ وغیرہ وغیرہ بطور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

عصر حاضر میں جن خواتین قلم کاروں نے اپنی تحریری صلاحیتوں سے جہاں ادب کو اپنی جانب متوجہ کیا ان میں ڈاکٹر راحت سلطانہ کا نام بھی بطور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر راحت سلطانہ کو معروف ومعتبر ماہر دکنیات پروفیسر محمد علی اثر کی شریک حیات ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔علاوہ ازیں انہوں نے اپنی تحقیقی تنقیدی وشعری تصانیف کی بدولت اردو دنیا میں اپنا ایک مقام ومرتبہ بنایا ہے۔

ڈاکٹر راحت سلطانہ ۷؍ستمبر ۱۹۴۸ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئی۔ ان کے والد کا نام محمد عبدالعلی فاروقی تھا۔ انہوں ۱۹۷۴ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔۱۹۷۶ء میں انہیں سپرنٹنڈنٹ محکمۂ نظامت فنی تعلیم حکومت آندھراپردیش میں ملازمت مل گئی اور اسی سال یعنی ۱۹۷۶ء میں ہی محمد علی اثر صاحب سے رشتہ ازدواج میں بندھیں۔

ڈاکٹر راحت سلطانہ ان خوش نصیب شاگردوں میں ہیں جنہیں اپنے اساتذہ کی محبت وشفقت نصیب ہوئی ان کے اساتذہ میں پروفیسر سیدہ جعفر، پروفیسر ثمینہ شوکت، پروفیسر مغنی تبسم، پروفیسر اشرف رفیع، پروفیسر غلام عمر خان شامل ہیں۔ڈاکٹر راحت سلطانہ نے اپنے اساتذہ کرام کا اثر قبول کیا اور ایم اے کی تعلیم کے دوران ہی تصنیف وتالیف کا کام شروع کردیا۔ان کے مضامین کو عزت وپذیرائی حاصل ہوئی اور حیدرآباد کے مشہور ومعروف اخبارات اور رسائل نے انہیں اپنے دامن میں جگہ دی موصوفہ نے اپنے ادبی سفر کا آغاز نثر نگاری سے کیا۔

دوران طالب علمی میں ہی ان میں پی ایچ ڈی کرنے کا شوق پیدا ہوا۔مگر شادی، ملازمت اور اولاد کی ذمہ داریوں میں گھر کر وہ اپنے اس خواب کو کئی وقت تک شرمندہ تعبیر نہ کرسکیں،مگر جیسے جیسے بچے بڑے ہونے لگے ان کا یہ شوق عود کر آیا اور انہوں نے بی آر امبیڈکر یونیورسٹی میں پروفیسر ناز قادری کی زیر نگرانی ''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری'' کے عنوان سے ۱۹۹۶ء میں پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا۔ ان تھک محنت وجستجو سے صرف چار سال کی مختصر مدت میں یعنی ۲۰۰۰ء میں اپنا مقالہ یونیورسٹی میں داخل کیا اور ۲۰۰۱ء میں انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری سے نوازا گیا۔

ڈاکٹر راحت سلطانہ کی تصنیف ومرتب کردہ تصانیف کی کل تعداد ۱۱ ہے۔ان کی تصانیف کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے حصے میں ان کی مرتبہ تصانیف، دوسرے حصے میں تحقیقی وتنقیدی مضامین پر مشتمل تصانیف اور تیسرے حصے میں ان کا موزوں کردہ کلام یعنی شعری مجموعہ شامل ہے۔

پہلے حصے کی تصانیف میں متاع شعروادب ،گلدستہ تہنیت،خوشبو کی بارات،خوشبو کی سوغات،ڈاکٹر محمد علی اثر کی حمدیہ ونعتیہ شاعری،ثنائے حامد ومحمود شامل ہیں۔ ڈاکٹر راحت سلطانہ نے ''متاع شعروادب'' میں جاویدہ حبیب کی معاونت سے علیم صبانوی کے لکھے ہوئے تبصروں کو یکجا کر کے شائع کروایا، اس کتاب میں ۱۰۶ مصنفین ،شعرااور تنقید نگاروں کے فن اور شخصیت پر تبصرے شامل ہیں۔

تصانیف گلدستہ تہنیت،خوشبو کی بارات،خوشیوں کی سوغات، میں تہنیتی نظمیں شامل ہیں جوان کی صاحبزادیوں بالترتیب کہکشاں ناز،ثریانشاط اور ڈاکٹر شائستہ ناہید کے محافلِ عقد کے مبارک ومسنون مواقع پر چاہنے والے اور بہی خواہوں کی طرف سے پیش کی گئیں، تہنیتی نظمیں ہیں جس میں حیدرآباد کے مشہور معروف شعراء کی نیک خواہشات اور دعائیں شامل ہیں اور یہ تصانیف علی الترتیب ۲۰۰۱ء،۲۰۰۳ء،۲۰۰۷ء میں شائع ہوئیں۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر راحت سلطانہ اپنے شریک حیات پروفیسر محمود علی اثر کے حمدیہ ونعتیہ کلام کو بعنوان ''ڈاکٹر محمد علی اثر کی حمدیہ ونعتیہ شاعری'' کو ۲۰۰۹ء اور ''ثنائے حامد ومحمود'' کو ۲۰۱۲ء میں ترتیب دے کر شائع کروایا۔ اول الذکر میں ہندستان بھر کے ذی علم اور باشعور شعراء اور نقادوں کے مضامین بھی شامل ہیں جو محمد علی اثر کے حمدیہ ونعتیہ کلام پر لکھے گئے ہیں اور آخرالذکر ۱۶۶ اشعار پر مشتمل ایک طویل حمد اور ۱۹۲ اشعار پر مشتمل طویل نعت شریف کا مجموعہ ہے۔اس طرح ڈاکٹر راحت سلطانہ کی مرتب کردہ تصانیف کی تعداد ۶ ہوجاتی ہے۔

دوسرا حصہ ڈاکٹر راحت سلطانہ کے تحقیقی وتنقیدی مضامین پر مشتمل تصانیف پر محیط ہے۔جن میں آئینہ نقدونظر،ادب اور خواتین،علیم صبانوی کی نعتیہ شاعری،ریپورتاژ،کارواں چلتا رہے،شامل ہیں۔تصنیف آئینہ نقدونظر''۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی جو ۱۳ مضامین پر مشتمل ہے، اس تصنیف کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے حصے میں نعت کی تعریف،دکن میں نعتیہ شاعری کی روایت،محسن کاکوروی، امیر مینائی اور علامہ اقبال کے نعتیہ کلام پر مشتمل مضامین شامل ہیں۔جس سے صنف نعت گوئی سے موصوفہ کی دلچسپی اور انسیت کا پتہ چلتا ہے۔

دوسرے حصے میں متنوع قسم کے مضامین شامل ہیں جو قطب شاہی دور کی مثنویاں،نظیر اکبرآبادی قومی یکجہتی کا علمبردار، حالی کے فکروفن پر معاصرین کے اثرات، ہائیکو اور علیم صبانوی، پریم چند کے چندنسوانی کردار پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دکنی خواتین کے ادبی کارناموں کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ان میں اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ لطف النساء امتیاز، ماہ لقابائی چندا، بشیر النساء بشیر پر تحقیقی ومعلوماتی مضامین درج ہیں۔جن کے پڑھنے سے موصوفہ کے مطالعے کی وسعت اور ادبی تحقیق سے دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے،ان کے مضامین کی زبان سیدھی سادی عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ شگفتگی اور تازگی لیے ہوئے ہیں،جس کے مطالعے سے قاری پر اکتاہٹ طاری نہیں ہتی بلکہ مزید مطالعہ کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

تصنیف ''آئینہ نقدونظر'' کے متعلق پروفیسر حبیب ضیاء صاحبہ لکھتی ہیں:

''آئینہ نقدونظر کے مقالات ومضامین وتحقیق کا خوب صورت امتزاج پیش کرتے ہیں ان میں تحقیقی جرح وتعدیل اور تلاش وبازیافت بھی نظر آتی ہے اور تنقیدی بصیرت بھی جھلکتی ہے''۔(۱)

تصنیف ''ادب اور خواتین''۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی جو ڈاکٹر راحت سلطانہ کے تحقیقی وتنقیدی شعور کی وضاحت کرتے ہوئے ۲۰ تحقیقی مضامین پر مشتمل ہیں اس میں ۱۱ مضامین خواتین سے متعلق ہیں۔ چونکہ مضامین کا اغلب حصہ دکنی خواتین کی ادبی خدمات پر محیط ہے اس لیے اس کا عنوان ادب اور خواتین رکھا گیا ہے،جس میں دکنی کی خاتون محققین، بیسویں صدی کے آغاز میں خواتین کی

صحافت، حالی اور مسائل نسواں، لطف النساء امتیاز، اردو کی اولین صاحب دیوان، صغریٰ ہمانوں مرزا کی سماجی وصحافتی خدمات، پریم چند کے نسوانی کردار، خدیجہ مستور اردو کی عظیم فکشن نگار، حیدرآباد کا نسوانی کلچر، سروجنی نائیڈو ایک عہد ساز خاتون، ماہ لقابائی چندا، اردو کی پہلی نسائی آواز وغیرہ شامل ہیں، اس کتاب میں شامل مضامین ہندوپاک کے مختلف رسائل میں شائع ہوچکے ہیں اور بعض سیمیناروں میں بھی پڑھے جاچکے ہیں۔

اس کتاب میں ڈاکٹر راحت سلطانہ نے ''تحقیق وتنقید کی روایت'' کے نام سے بہترین مضمون قلم بند کیا ہے جس میں تحقیق وتنقید کے معنی ومفہوم کے علاوہ اس کے ابتدائی نمونے اور تقریباً تمام محققین اور تنقید نگاروں کا سرسری جائزہ لیا ہے۔ ''حالی اور مسائل نسواں'' کو پیش کرکے موصوفہ نے حالی کے خیالات سے اپنی دلی وابستگی کا اظہار کیا ہے اس کتاب کا ایک اہم مضمون ''حیدرآباد دکن کے چند ادبی انجمنیں اور تحقیقی ادارے'' ہیں یہ مضمون چار سو صدیوں پر محیط ہے موصوفہ نے قطب شاہی دور کی اردو سرپرستی کا ذکر کرتے ہوئے آصف جاہی سلطنت میں قائم کردہ مختلف انجمنوں اور اداروں کا بھی ذکر کیا ہے۔

اس تصنیف میں چند مضامین مرد شعراء اور ادباء سے متعلق ہیں اور چند ان کی پہلی تصنیف ''آئینہ نقد ونظر'' سے مستعار ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کتاب ''ادب اور خواتین'' ڈاکٹر راحت سلطانہ کی ان تھک محنت اور جستجو کا نتیجہ ہے جو ان کے مطالعے کی وسعت اور تحقیقی وتنقیدی شعور کی ترجمان ہے۔ بقول نسیم الدین فریس:

''ان مضامین میں موصوفہ کی تحقیقی ژرف بینی اور تنقیدی بصیرت ہویدا ہے۔ مواد کی جمع آوری اور ترتیب میں مصنفہ نے خاص سلیقے اور ہنرمندی کا مظاہرہ کیا ہے، جس سے ان کی تصنیفی صلاحیتوں کا اظہار ہوتا ہے، اس کتاب میں شائع تمام مضامین نہایت وقیع اور معلوماتی ہیں اور ایک خاص ادبی، تحقیقی وتنقیدی قدر وقیمت کے حامل ہیں''۔(۲)

ڈاکٹر راحت سلطانہ کا اہم کارنامہ ''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری'' ہے یہ موصوفہ کی پی ایچ ڈی کا موضوع ہے جسے انہوں نے ۲۰۰۸ء میں زیور طباعت سے آراستہ کیا، نعت گوئی سے رغبت رکھنے والے طلباء واساتذہ کے لیے یہ نہایت اہم کتاب ہے، کیونکہ اس میں نعت کے معنی ومفہوم کے علاوہ آغاز وارتقاء اہمیت وافادیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور مشہور ومعروف نعت گوشعراء کا سرسری جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے، جو موصوفہ کی کثرت مطالعہ وکتب بینی کا شاہد ہے۔ علیم صبا نویدی کے تین نعتیہ مجموعوں کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ بھی شامل ہے۔

علیم صبا نویدی نے نعت گوئی کے لیے کسی ایک صنف کو نہیں برتا بلکہ شاعری کی قدیم وجدید اصناف سے استفادہ کرتے ہوئے دربار رسالت میں اپنی عقیدت کے گل پیش کیے ہیں، غزل، نظم، سلام، سانیٹ، ہائیکو وغیرہ۔ ڈاکٹر راحت سلطانہ نے مندرجہ بالا شعری اصناف کی تعریف اور آغاز وارتقاء پر بھی مفصل روشنی ڈالی ہے۔ ان کا انداز تحریر پیچیدہ اور گنجلک نہیں ہے بلکہ سلیس اور عام وفہم ہے۔

''کارواں چلتا رہے'' کے عنوان سے ڈاکٹر راحت سلطانہ نے ایک رپورتاژ بھی تحریر کیا۔ موصوفہ میں اردو اصناف کو بہتر انداز میں قلم بند کرنے کی صلاحیت موجود ہے، وہ جس صنف پر بھی قلم اٹھائی ہیں اس کے اصول وضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے موضوع کو ضبط تحریر لاتی ہیں ۱۹۹۳ء میں ''جشن صبا'' کے نام سے مدراس میں یک روزہ سیمینار منعقد ہوا تھا۔ جس کا پورا نام ''جشن علیم صبا نویدی'' تھا ڈاکٹر راحت نے اس سیمینار کا رپورتاژ تمام تر جزئیات نگاری کے ساتھ قلم بند کیا اس منعقد شدہ تقریب یا سیمینار میں علیم صبا نویدی پر لکھی گئی پانچ کتابوں کی رسم اجرائی بھی عمل میں آئی جو اجلی مسکراہٹ مرتبہ عابد صفی، نقش قلم مرتبہ پرویز سلیمان اطہر جاوید، خوشبو کے داغ مرتبہ سجاد حسین، جنوب کا شعر وادب اور خامہ درخامہ مرتبہ محمد علی اثر کے نام سے شائع ہوئیں۔

اس رپورتاژ میں ڈاکٹر راحت نے رپورتاژ نگاری کی تعریف، آغاز وارتقاء پر جامع مگر مختصر مواد اکٹھا کردیا ہے۔ یہ رپورتاژ موصوفہ کے ذاتی تاثرات، مشاہدات، جذبات، حسن ترتیب، اسلوب

کی شگفتگی پر مشتمل ہے یہ کتاب ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی۔

تیسرا حصہ ڈاکٹر راحت سلطانہ کی شاعری پر مبنی ہے اس میں انہوں نے ''چراغ آرزو'' نام سے ایک شعری مجموعہ بھی موزوں کیا ہے اس کی اشاعت کے ساتھ ہی ان کا شمار اردو ادب کی ان خواتین میں ہونے لگا جنہوں نے نظم ونثر دونوں میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔ یہ کتاب ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی، جس میں حمد، نعت، غزل، نظم، ماہیے، ثلاثیات، قطعات، نثری نظم اور ایک مصرعی نظم بھی شامل ہے، جو قدیم وجدید اصناف سخن کا بہترین امتزاج ہے۔ اس مجموعہ کلام کا اغلب حصہ غزلیات پر مشتمل ہے، جس میں عشق وعاشقی کے جذبات، احساسات، خواہشات کے علاوہ امید وناامیدی، غم جاناں اور غم دوراں کی بہترین عکاسی ہے، ان کا کلام ان کی پوری زندگی کا ترجمان ہے، ہر خوشی وناخوشی کا اس میں اظہار موجود ہے۔

اس مجموعہ کلام کے مطالعے سے ڈاکٹر راحت ایک وفا شعار بیوی، مشفق ومحبت کرنے والی ماں، معاشرے کی ترجمان شاعرہ کی حیثیت سے منظر عام پر آتی ہیں۔ نثر کی طرح شاعری میں بھی ان کا انداز سیدھا سادہ اور عام فہم ہے، پیچیدہ اور ثقیل الفاظ کے استعمال سے گریز کرتی ہیں۔ ان کے اشعار میں سادگی کے ساتھ ساتھ روانی اور دلکشی بھی پائی جاتی ہے، جو ان کی شخصیت کی عکاس ہے۔ نمونہ کلام ؎

کی ہے ایسی بھی کیا خطا جاناں
دل کو تڑپا کے رکھ دیا جاناں
میری جانب نظر نہ کی تم نے
سب کو دکھلایا راستہ جاناں
میری وفائیں بھول گئے ہیں
میری خطائیں چننے والے
حکم جو بھی کرو ہم بجا لائیں گے
ہم تو بھیجے گئے ہیں تمہارے لیے

ڈاکٹر راحت سلطانہ کے یہاں بھی غزل کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں جامع مضمون کو قلم بند کرنا ان کی خاصیت ہے ان کے اشعار آورنہیں ہے بلکہ مسلسل مشق اور ان تھک محنت کا پیش خیمہ ہے ان کے کلام کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کوئی بھی کام مشکل وناممکن نہیں ہے بلکہ مقصد کا تعین اور مستقل مزاجی انسان کو کامیاب وکامران بناتی ہے۔

ڈاکٹر راحت سلطانہ کی شخصیت ویسی ہی سادہ ہے جیسی ان کی تحریر۔ اپنے اس شعری مجموعہ کی اشاعت کے موقع پر وہ کہتی ہیں۔

''اس میں جو کچھ خامیاں ہیں وہ میری اپنی ہیں اور خوبیاں ہیں وہ میرے اساتذہ کرام کی دین اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے''۔(۳)

ڈاکٹر راحت سلطانہ کے ادبی کارناموں پر صالحہ شاہین نے ڈاکٹر فضل اللہ مکرم کی زیر نگرانی سال ۲۰۱۵ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا ہے ان کے مقالے کا موضوع ''ڈاکٹر راحت سلطانہ کے فکر وفن کا جائزہ'' ہے جو تحقیقی وتنقیدی دونوں موضوع کا احاطہ کرتا ہے۔ اپنی اس تحقیق کی روشنی میں صالحہ شاہین اس نتیجے پر پہنچتی ہیں۔

''ڈاکٹر راحت سلطانہ بحیثیت ادیب، شاعرہ، نقاد ومحقق اردو ادب میں ایک باوقار مقام کی حامل خاتون ہیں''۔(۴)

غرض ڈاکٹر راحت سلطانہ نے اپنی ادبی خدمات کے ذریعہ اردو ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ دور حاضر کی حیدرآباد کی خواتین مصنفین اور شاعرات میں آپ کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ چراغ خانہ رہنے کی آرزو رکھنے والی اس مصنفہ نے اپنے مضامین وکلام کی روشنی سے اپنے معاشرے کو منور کیا ہے۔

حوالے وحواشی:

(۱) ڈاکٹر راحت سلطانہ ''آئینہ نقد ونظر''، ص:۱۱
(۲) ڈاکٹر راحت سلطانہ ''ادب اور خواتین''، ص:۱۸
(۳) ڈاکٹر راحت سلطانہ ''چراغ آرزو''، ص:۹
(۴) صالحہ شاہین (مقالہ برائے پی ایچ ڈی
ڈاکٹر راحت سلطانہ کی فکر وفن کی جائزہ، ص:۱۸۲

اسری تسنیم۔حیدرآباد

مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں میں عصری معنویت

اس بات سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ مولانا آزاد کا اصل نام محی الدین احمد تھا۔۱۱رنومبر ۱۸۸۸ء کو مولانا آزاد کی پیدائش مکہ معظّمہ میں ہوئی۔ ان کا بچپن سرزمین حجاز میں گزرا۔ ابتدائی تعلیم دینی ماحول میں ہوئی، بعد میں دنیاوی تعلیم کی طرف راغب ہوئے،لیکن روایتی انداز میں کسی اسکول میں پڑھائی نہیں کی، پھر بھی کم عمری میں وہ ریاضی،فلسفہ اور دیگر علوم پر مہارت حاصل کرتے رہے،انہیں بچپن سے مطالعہ کا بڑا شوق تھا، جیب خرچ کے لیے جو پیسے ملتے تھے، اس سے وہ کتابیں خرید کر پڑھتے تھے۔گھر پر ہی تعلیم کی تمام سہولیتیں فراہم کردی گئی تھیں۔نمازوں کی پابندی لازمی تھی اور بہتر تربیت ہی ان کے حق میں مفید ثابت ہوئی۔ مادری زبان تو عربی تھی،لیکن جب وہ والدین کے ساتھ ۱۸۹۵ء میں ہندوستان آگئے تو یہاں اردو سے مکمل وابستگی اس طرح رہی کہ ان کا اوڑھنا بچھونا اردو ہوگیا، پھر وہ انگریزی میں مہارت حاصل کی۔مولانا آزاد نے ایک ایسے دور میں زندگی گزاری، جس وقت ہندوستان انگریزوں سے آزادی کے لیے جدوجہد کررہا تھا اور گاندھی جی کے بشمول کئی قائدین لوگوں میں آزادی کی تحریک پروان چڑھا رہے تھے، اس وقت لوگوں تک اپنی بات اور اپنے خیالات پہنچانے کا اہم ذریعہ اخبار یا رسالے تھے۔قلم کی طاقت کو استعمال کیا گیا تھا اور لوگوں کی سوچ میں تبدیلی لائی گئی تھی۔ چنانچہ مولانا آزاد نے بھی قلم کی طاقت کو جانا اور ہندوستانیوں میں جذبۂ آزادی پیدا کرنے کرنے اور خواب غفلت میں ڈوبی قوم کو جگانے کے لیے اخبار اور رسالے نکالے۔قومی یکجہتی کے مضامین لکھے اور ان کے کلمات بھی عوام کے لیے مشعل راہ ہیں۔آج ہندوستان میں ہندو مسلم کلچر کو بانٹا جارہا ہے، جبکہ مولانا آزاد نے اپنے تجربے سے ایسی تحریریں چھوڑی ہیں جو عصر حاضر میں معنی رکھتی ہیں۔

مولانا آزاد اپنے وقت کے نامور ادیب،صحافی، عالم دین، سیاست داں،دانشور، مصلح قوم، مفسر اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم رہے۔ ہر سال ہندوستان میں ۱۱ر نومبر کو ان کی تاریخ پیدائش کے موقع پر ''یوم اردو'' منایا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ تاریخ ماضی کا مطالعہ، حال میں، مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے ہوتا۔ وہ قوم ترقی نہیں کرسکتی جو اپنے ماضی سے ناواقف ہو اور اسے اپنی ترقی کی بنیاد نہ بناتی ہو۔ ماضی کے سرمائے میں اسلاف کے کارنامے ہوتے ہیں۔ ہمارے اسلاف میں مثالی زندگی لوگوں کو متاثر کرنے والی بے شمار شخصیات ہیں لیکن ان میں ایک اہم نام مولانا ابوالکلام آزاد کا ہے،جنہیں ہم عظیم ہندوستان کا معمار کہہ سکتے ہیں۔

مولانا آزاد کی تحریروں نے اپنے وقت کے صحافیوں، دانشوروں، علماء اور عوام ذہن سازی کی اور ملک کی آزادی کے جذبے کو پروان چڑھایا۔

آج کل کے نوجوانوں کو اخبارات کے مطالعے کا شوق نہیں،نصابی کتابیں مشکل سے پڑھتے ہیں، تیار مواد پڑھ کر امتحانات کامیاب کرتے ہیں،کھیلوں اور فلموں میں ہی دلچسپی رکھتے ہیں اور ٹی وی پر بھی صرف تفریحی پروگرام دیکھتے ہیں، جبکہ انٹرنیٹ پر کافی معلومات ہوسکتی ہیں۔ہمیں مطالعہ کا شوق

مولانا آزاد کی عادت سے پیدا ہوسکتا ہے، جس سے کتب بینی عام ہوسکتی ہے، انہوں نے صرف بارہ سال کی عمر میں ہی شعراء کے کلام کے انتخاب پر مشتمل ''گلدستہ'' تیار کیا تھا، اس بنا پر آج کے نوجوانوں کو یہ سبق مل سکتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پہچانیں اور انہیں پروان چڑھائیں۔ مختلف زبانوں کو سیکھنے کا ذوق پیدا کریں، جس طرح مولانا آزاد نے سیکھا تھا اور اپنے شعور کو بلند کیا تھا۔ ذرائع ابلاغ یعنی میڈیا کے ذریعہ انہوں نے سیاسی تبصرے کیے اور عوام کو توانائی بخشی، سوئی ہوئی قوم کو جگانے کے لیے اور ہندوستانیوں میں جذبہ آزادی پیدا کرنے کے لیے رسالے اور اخبار نکالے۔

الہلال، المصباح، لسان الصدق، اور البلاغ جیسے اخبارات کے ذریعہ انہوں نے صحافت اور سیاست کو متاثر کیا۔ ہفتہ وار الہلال میں بہت سی خاص باتیں تھیں، ادبی صحافت کی اصطلاح مولانا آزاد کے لیے مخصوص کردی گئی۔ ادبی اسلوب کی دل نشینی اور تہہ داری بھی اپنے طور پر کارفرما رہے، اس قدر عجیب وغریب اور مشکل کام مولانا کے بعد کوئی دوسرا شخص اختیار نہ کرسکا، اس بات کی آج ضرورت ہے۔ الہلال بازار میں آتا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے تھے، اس کے نثر کے جوش وخروش منطق واستدلال اور دعوت وتبلیغ نے اردوداں معاشرے میں ایک زلزلہ برپا کردیا۔ اس کے طرز بیان کی خطابت نے قارئین کے رگ وپے میں بجلیاں دوڑادیں۔ اس اخبار میں مذہب، سیاست، معاشیات، نفسیات، جغرافیہ، تاریخ، عمرانیات، سوانح، ادب اور حالات حاضرہ پر اعلی معیار کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

ہر عہد میں مسائل کے حل کے لیے دانشور حضرات قلم کا استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ نوجوانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسائل سے نہ گھبرائیں، معیاری تحریروں سے اپنے لیے حل تلاش کریں۔ مولانا آزاد کی تحریروں میں یہ بات شامل تھی کہ وہ آج کے مسائل کے لیے بھی کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔ آج کے نوجوان بھی اپنے عہد کے حالات کا جائزہ لیں اور انہیں دور کرنے کے لیے تحریک چلائیں۔ بری عادتوں کو ترک کریں، گندی سیاست کو پہچانیں، سماجی برائیوں سے دور رہیں، بے روزگاری کے مسائل کا حل نکالیں۔ جس طرح مولانا آزاد نے سیاست میں حصہ لیا اور ایک بڑی پارٹی کے کم عمر صدر بنے، نوجوانوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے اندر قائدانہ صلاحیتیں پیدا کریں۔ اس دور میں مولانا جیل کی صعوبتیں جھیلیں، لیکن جیل میں رہ کر وہاں سے انہوں نے تصنیف وتالیف کا کام کیا۔ لوگوں کو خط لکھے۔ ان کا مجموعہ ''غبار خاطر'' کی شکل میں محفوظ ہے، جس میں انہوں نے زندگی سے متعلق کام کی باتیں کہی ہیں۔ انہوں نے اپنے خطوط میں لکھا ہے کہ وقت کو ضائع نہ کریں، ایک لمحہ بھی نہ گنوائیں بلکہ کچھ تعمیری کام کرتے رہیں۔ مولانا آزاد کی دانشوری اور ہندوستان کے قائدین کی جدوجہد کی وجہ سے ہندوستان کو آزادی ملی اور وہ ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم بنے۔ انہوں نے اپنی دوراندیشی سے قومی تعلیمی پالیسی مرتب کی۔ اس دور کے اثرات آج بھی ہندوستان کو ایک عظیم تعلیمی طاقت کے روپ میں قائم ہیں۔ بچوں کی لازمی تعلیم، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کا قیام، ساہتیہ اکیڈمی جیسے اداروں کا قیام بھی مولانا آزاد کے تبحر علمی کا نتیجہ ہیں۔ اسی لیے آج ہم مولانا آزاد کی زندگی کے اس پہلو سے یہ روشنی حاصل کرسکتے ہیں کہ مستقبل کے ہندوستان کی تعمیر کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ صحت، تعلیم، کھیل کود، سائنس وٹیکنالوجی میں دنیا کی ترقی سے قدم ملاکر چلنے کے لیے ہمیں آج بھی مولانا آزاد کی عصری بصیرت کام آسکتی ہے۔ اس کی جستجو سے ہمیں مولانا آزاد کی شخصیت اور کارناموں میں ہی عصری معنویت ملتی ہے، حالانکہ وہ کسی کالج یا اسکول کے فارغ التحصیل نہیں تھے، بلکہ اپنی ذاتی استعداد اور قابلیت سے ترقی کی۔ آج کے نوجوانوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ مطالعہ کریں، غوروفکر کریں اور مسائل کی آگہی اور حل کے لیے راستے تلاش کریں۔

احمد نور عینی
پی ایچ ڈی اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

علامہ شبلی اور مدارسِ اسلامیہ کا نصاب ونظامِ درس

گذشتہ سے پیوستہ

۲۔رائج نصاب میں اصلاح:

رائج نصاب میں اصلاح سے مراد یہ ہے کہ جو موضوعات اور جو علوم وفنون مدارس اسلامیہ میں پہلے سے داخل نصاب ہیں ان میں در آنے والی کم زوریوں کا جائزہ لیا جائے، کمیاں دور کی جائیں اور خامیوں کو خوبیوں سے بدلا جائے۔ علامہ شبلی نے رائج نصاب میں جن اصلاح طلب امور کی طرف توجہ دلائی ہے ان کا تعلق یا تو نصاب درس کی تدوین سے ہے یا کتب نصاب کی طرز تصنیف سے یا پھر کتب نصاب کے طریقۂ تدریس سے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

☆ قرآن مجید سے بے اعتنائی:

مدارس اسلامیہ کے قیام کا اصل مقصد دینِ اسلام کی اشاعت وحفاظت اور علوم شرع کی تحصیل وتبلیغ ہے، شریعت اسلامیہ کے اصل سرچشمے قرآن وحدیث ہیں، اور حدیث بھی چوں کہ قرآن کی شرح ہے اس لیے بنیادی سرچشمہ قرآن ہی ہے، گویا نصاب کی کتابوں میں قرآن ہی وہ کتاب ہے جس کو بنیادی واساسی حیثیت حاصل ہے، اور اس کے ساتھ اسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ خالق کا کلام ہے۔ مگر افسوس کہ قدیم نصاب میں اس کتابِ مقدس کے ساتھ بڑی بے اعتنائی برتی گئی، شبلیؒ نے اس افسوس کا اظہار اپنی تحریروں میں بھی کیا ہے اور تقریروں میں بھی؛ چناں چہ ندوہ کے سالانہ اجلاس (منعقدہ: ۱۸۹۴ء) سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک بہت بڑا اور سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ موجودہ نصاب میں قرآن مجید کے ساتھ بہت کم اعتنا کی گئی ہے، اور تفسیر اور ملحقات تفسیر کی بہت کم کتابیں رکھی گئی ہیں، کل دو کتابیں درس میں داخل ہیں: بیضاوی، جلالین۔ بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں، جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے؛ لیکن اس کے اختصار کا یہ حال ہے کہ اس کے الفاظ اور حروف قرآن مجید کے الفاظ اور حروف کے برابر ہیں''۔ (خطبات شبلی: ۲۱)

علامہ شبلی نے جب دارالعلوم حیدرآباد کا نصاب بنایا تو اس کی رپورٹ میں قرآن سے قلت اعتنا پر افسوس کیا اور نئے نصاب میں الہدایہ الی الصراط المستقیم، الفوز الکبیر، اور احکام القرآن للجصاص رازی کا اضافہ کیا (دیکھیے: مقالات شبلی: ۱۵۸/۳ و ۱۶۱)۔ اور ندوہ میں جب تفسیر کا درجۂ تکمیل کھولا گیا تو اس میں تفسیر ابن کثیر، بیضاوی، کشاف، کتاب الناسخ والمنسوخ للنحاس، الاتقان للسیوطی، اعجاز القرآن للباقلانی، تفسیرات احمدیہ لملا جیون وغیرہ داخل نصاب کیں (حیات شبلی: ۳۴۳)۔ تفسیر کی کتابوں کے علاوہ شبلیؒ نے قرآن پاک کا درس سبقاً سبقاً شروع کرایا اور خود بھی یہ درس دیا کرتے تھے۔

قرآن کریم نبی کریم ﷺ کا جاوداں معجزہ ہے، اس کے اعجاز کے کئی پہلو اور کئی جہتیں ہے؛ مگر اس کے اولین مخاطب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کا اعجازِ بلاغی سرفہرست نظر آتا ہے، اس کی اعلی درجہ کی فصاحت وبلاغت اس کے معجزہ ہونے کا ناقابل انکار ثبوت ہے، جس زمانے میں قرآن کریم نازل ہوا اس زمانے میں عرب جہالت وجاہلیت کے باوصف فصیح اللسان

وبلیغ البیان تھے، انھیں اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز تھا؛ چناں چہ اس وقت کے اہل عرب کو اس جیسا کلام لانے کا جو چیلنج کیا گیا وہ چیلنج فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے تھا، مگر ہمارے قدیم نصابِ درس میں قرآن کے بلاغی اعجاز سے بھی بے اعتنائی برتی گئی ہے، بلاغت کو محض ایک فن کے طور پر پڑھا دیا جاتا ہے؛ بل کہ مطول وغیرہ میں تو فن بھی ثانوی درجہ میں آجاتا ہے اور کتاب کی پیچ در پیچ عبارت میں طالب علم الجھ کر رہ جاتا ہے۔ علامہ شبلیؒ کہ جنھیں مبدأ فیاض سے ادب وبلاغت کا لطیف ونظیف ذوق ملا تھا وہ کیوں کر اس بے اعتنائی پر خاموش رہ سکتے تھے؛ چناں چہ ندوہ کے ایک سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''...ثانیا: قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت پر نہایت توجہ ہونی چاہیے، یہ امر عموماً مسلم ہے کہ اسلام کا وہ معجزہ جو دائمی اور ابدی ہے، قرآن مجید ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے ہے، لیکن کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ موجودہ نصاب کے تعلیم یافتہ اس اعجاز کو بہ دلائل ثابت کر سکتے ہیں؟'' (خطبات شبلی:۲۲)

☆ ادب وعربیت کی کمی:

قدیم نصاب میں نحو وصرف کی کتابیں تو بہت ہیں اور ان کی تدریس پر بھی وقت کا ایک بڑا حصہ صرف ہوتا ہے، بال کی کھال نکالی جاتی ہے، ایک ایک قاعدے پر کئی کئی گھنٹے بحث کی جاتی ہے؛ لیکن عربی ادب کی صلاحیت پروان چڑھانے، عربی کا صاف ستھرا ادبی ذوق پیدا کرنے اور عربی زبان کو زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھنے کی طرف نہ کوئی توجہ ہے اور نہ اس کی کوئی اہمیت، گویا ساری صلاحیتیں عربی سکھانے کے بجائے عربی کا فلسفہ سمجھانے (بل کہ رٹانے) پر صرف کی جاتی ہیں، اور کبھی کبھی تو یہ فلسفہ دفع دخل مقدر اور مفرد مفرد کے پیچوں میں اس طرح الجھتا ہے کہ اصل فلسفہ بھی ذہن سے غائب ہوجاتا ہے، اور مصنف کی عبارت مقصود اصلی بن جاتی ہے، علامہ شبلیؒ بھی اسی ماحول کے پروردہ تھے؛ لیکن چوں کہ وہ ایک تخلیقی فکر کے حامل تھے؛ اس لیے انھوں نے اس نقص کا ادراک کیا اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی؛ چناں وہ فرماتے ہیں:

''ایک بڑا نقص یہ ہے کہ موجودہ نصاب میں ادب وعربیت کا حصہ بہت کم ہے، منطق کی بیسیوں کتابیں درس میں ہیں، اور ان میں ایک بھی اگر پڑھنے سے رہ جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ تحصیل کی تکمیل میں کمی ہے؛ لیکن اگر ایک طالب علم ادب سرے سے نہ پڑھا ہو، عربی زبان میں دو سطریں نہ لکھ سکتا ہو، قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت بھی نہ ثابت کر سکتا ہو تو عام لوگوں کے نزدیک، طلبہ کے نزدیک، اساتذہ کے نزدیک اس کے چہرۂ کمال پر کوئی داغ نہیں۔'' (خطبات شبلی:۲۱)

☆ انشا ومضمون نگاری سے عدم اعتنا:

یہ ایک قابل افسوس اور ناگفتہ بہ حقیقت ہے کہ مدارس کے طلبہ کی اکثریت تقریباً نصف درجن عربی گرامر کی کتابیں پڑھنے کے باوجود اور کم وبیش ایک دہائی عربی مدارس میں عربی کتابوں کے درمیان گذارنے کے باوصف چند سطریں عربی میں لکھنے کی قابلیت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتی، اس کی بڑی وجہ انشا پردازی اور مضمون نگاری کی مشق کا نہ ہونا ہے، شبلی نے اس پہلو کی طرف بھی توجہ دلائی؛ چناں چہ نصاب دارالعلوم کی رپورٹ میں لکھتے ہیں:

''یہ عام شکایت ہے کہ عربی خوان سب کچھ پڑھ جاتے ہیں، لیکن چند سطریں صحیح عربی نہیں لکھ سکتے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ادب کی تعلیم کم تھی، دوسری یہ کہ انشا پردازی اور مضمون نگاری کی مشق نہیں کرائی جاتی تھی، اس لیے نصاب حال میں انشا پردازی کے لیے خاص گھنٹے مقرر کیے گئے۔'' (مقالات شبلی: ۱۵۸)

☆ جدید عربی:

قرآن وحدیث کا سمجھنا گو کہ جدید عربی کے سمجھنے پر موقوف نہیں ہے؛ لیکن چوں کہ ملی قیادت کی نازک ذمہ داری نبھانے

کے لیے مدارس کے فضلا کا حالات آگاہ اور وسیع الثقافت ہونا ضروری ہے؛ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جدید عربی سے مانوس ہوں؛ تاکہ عرب کے اخبارات پڑھ کر عالم عرب اور عالم اسلام کے حالات سے واقف ہوسکیں اور عرب دنیا میں لکھی جانے والی مختلف علوم وفنون کی جدید کتابیں پڑھ کر اپنی ثقافت کو وسیع کرسکیں۔ علامہ شبلی کا مقصد صرف دو رکعت کے امام تیار کرنا نہیں تھا اسی لیے وہ جدید عربی سیکھنے پر زور دیتے تھے، اور نہ صرف یہ کہ زور دیتے تھے؛ بل کہ ندوہ میں اس کی تعلیم کا بندوبست بھی کیا، اور بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ندوہ کو اس سلسلے میں اولیت کا شرف حاصل ہے؛ وہ لکھتے ہیں:

''دارالعلوم (ندوۃ) ہمارے ملک میں سب سے پہلی عربی درس گاہ تھی جس نے اس کو اپنی تعلیم میں ایک مناسب جگہ دی، اور دارالعلوم کے طلبہ نے جدید عربی زبان کے بولنے اور سمجھنے میں پوری شہرت حاصل کی جو بحمد اللہ آج تک قائم ہے'' (حیاتِ شبلی: ۳۳۸)

☆فن کی تعلیم:

تعلیم کا اصل مقصد فن کی تحصیل ہے، کتاب اس فن کو حاصل کرنے کا محض آلہ وذریعہ ہے، فن کو اصل مقصد سمجھ کر اگر پڑھا اور پڑھایا جائے تو فن میں کمال پیدا ہوتا ہے، برخلاف اس کے اگر کتاب کو اصل مقصد بنا لیا جائے تو کتاب میں تو کمال پیدا ہوجاتا ہے؛ مگر اصل فن میں مہارت پیدا نہیں ہو پاتی، ہمارے تعلیم کدوں اور دانش گاہوں میں یہ عجیب ماحول تھا اور ہے کہ پورا زور عبارت پر لگا دیا جاتا ہے، جو کہ مولانا بنوریؒ کے الفاظ میں علمی عیاشی اور تدریس کا سب سے بڑا فتنہ ہے (دیکھیے: مدارس عربیہ کا نصاب ونظام تعلیم، ص: ۱۴ و ۲۷۔ ط: جامعہ سید احمد شہید، کٹولی)

شبلی کو بھی اس علمی عیاشی اور تدریسی فتنے پر غصہ آتا تھا؛ چناں چہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے غصے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''طرز تعلیم میں ایک بڑا نقص یہ کہ اصل فن کے بجائے کتاب کے ساتھ زیادہ اعتنا کی جاتی ہے، اصل مسئلے کی تحقیق کے بجائے زیادہ وقت اس امر میں صرف کیا جاتا ہے کہ وہ مسئلہ کس عبارت میں بیان کیا گیا ہے اور اس عبارت سے کیا کیا احتمالات پیدا ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ، ان مباحث میں اعتراضات اور جوابات کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے، جن کی بنیاد کسی خاص کتاب کی عبارت والفاظ پر ہوتی ہے، یعنی وہی مسئلہ اگر دوسرے لفظوں میں بیان کردیا جائے تو وہ سلسلہ خود بخود منقطع ہوجائے، ان مباحث میں پڑ کر طالب علم کو اصل فن سے بعد ہوجاتا ہے اور تحقیق مسائل کے بجائے لفظی اعتراضات، احتمال آفرینی، توجیہات کی عادت ہوجاتی ہے''۔ (خطبات شبلی: ۱۹)

قدیم تعلیم کے نام سے اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں تو ضمیروں کے مرجع اور حیثیت تعلیلی وتقلیدی وبعدیت ذاتی وزمانی کے تنگ دائرے سے طلبہ تو کیا اکثر علما بھی کبھی باہر نہیں نکلتے''۔ (مقالات شبلی: ۸۶/۳)

☆ غیر مقصود بالذات علوم وفنون پر ارتکاز:

مدارس اسلامیہ میں پڑھائے جانے والے علوم وفنون کی دو قسمیں ہیں: مقصود بالذات، مثلا: قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ، اور غیر مقصود بالذات، مثلا: نحو، صرف، منطق، بلاغت وغیرہ۔ ثانی الذکر علوم وفنون بہ طور ذریعہ اور وسیلہ کے پڑھائے جاتے ہیں، انھیں حاصل کرنا فی نفسہ مقصود نہیں ہے؛ بل کہ ان کے ذریعہ مقصود بالذات علوم وفنون حاصل کرنا چوں کہ ممکن اور آسان ہوجاتا ہے، اسی لیے انھیں پڑھایا جاتا ہے، عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ غیر مقصود بالذات کے لیے اتنا ہی وقت لگایا جائے کہ وہ اصل مقصود بالذات کے لیے وسیلے اور ذریعے کا کام بہ آسانی کرسکیں، غیر مقصود بالذات میں زیادہ وقت لگا کر اصل مقصود پر کم زور دینا قلب موضوع ہے؛ چناں چہ علامہ شبلی رقم طراز ہیں:

''متعدد علوم وفنون کی تحصیل میں الاقدم فالاقدم کا خیال ضروری

ہے، یعنی یہ کہ جو فنون مقصود بالذات ہیں ان کے حاصل کرنے میں زیادہ وقت صرف کیا جائے، جو مقصود بالعرض ہیں ان میں کم، اسی طرح علوم مقصود بالذات میں بھی بہ لحاظ اہمیت کے فرق مراتب کرنا چاہیے، یعنی جو علوم زیادہ مہتم بالشان اور ضروری ہیں وہ زیادہ توجہ کے قابل ہیں''۔ مقالات شبلی: ۳/ ۱۲۹)

ہونا تو وہی چاہیے جو شبلی نے لکھا ہے؛ مگر ایک لمبے عرصے سے ترجیحات کا تعین قلب موضوع کا شکار ہے، علامہ شبلی نے قدیم تعلیم نامی مقالے میں مسلمانوں کی تعلیم کو تاریخی اعتبار سے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ خرابی تیسرے دور میں پیدا ہوئی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''تیسرے دور میں اس بات نے تعلیم کو نہایت ابتر کر دیا کہ جو فن مقصود بالذات نہ تھے، مثلا: نحو، صرف، منطق وامثال ذلک، ان کی تعلیم میں وہ اہتمام اور موشگافیاں ہونے لگیں کہ عمر کا ایک بڑا حصہ انہی کے نذر ہو گیا، اور اتنا وقت نہ مل سکا کہ جن علوم کی تکمیل مقصود اصلی تھی ان پر پوری توجہ ہو سکتی''۔ (مقالات شبلی: ۳/ ۸۵)

☆ تصانیف کی کثرت:

کسی بھی فن میں کتابوں کی کثرت کی وجہ سے طلبہ کی قوت فہم اور دماغی صلاحیت اصل فن کے بجائے کتابوں کی عبارت حل کرنے میں صرف ہوتی ہے، اور فن کے بجائے کتابیں مرکز توجہ بن جاتی ہے، ظاہر سی بات ہے کہ اس میں طلبہ کا ضرر ہے، یہ خرابی بھی مسلمانوں کے تیسرے تعلیمی دور میں رونما ہوئی؛ علامہ شبلی کہتے ہیں:

''تصانیف کی کثرت اور ان کا درس میں داخل ہونا اس بات نے بھی نہایت ضرر پہنچایا، پہلے اور دوسرے دور میں زیادہ تر فن کی تعلیم ہوتی تھی؛ لیکن تیسرے دور نے کتابی تعلیم کی بنیاد ڈالی، جن میں اصل مسائل سے زیادہ کتاب کی عبارت اور ان کے متعلقات سے بحث ہوتی تھی''۔ (مقالات شبلی: ۳/ ۸۶)

شبلی سے کئی صدی پیشتر علامہ ابن خلدون نے بھی نصاب تعلیم اور طریقۂ تدریس کی اس خامی کا رونا رویا ہے؛ چناں چہ انھوں نے مستقل ایک فصل اس بحث میں لکھی ہے جس کا عنوان ہی ہے: ''کثرۃ التالیف عائقۃ عن التحصیل''، یعنی تصنیفات کی کثرت تحصیل علوم سے مانع ہے۔ (دیکھیے: مقدمہ ابن خلدون، الباب السادس من الکتاب الاول، الفصل الرابع والثلاثون، ص: ۷۲۷)

☆ مغلق عبارتیں:

قدیم نصاب درس میں بہت سی کتابیں ایسی ہیں جن کی عبارتیں مغلق ہیں اور جن میں بقول مولانا یوسف بنوریؒ کے ایجاز واختصار کا ریکارڈ قائم کیا گیا ہے، (دیکھیے: مدارس عربیہ کا نصاب ونظام تعلیم، ص: ۱۵۔ ط: جامعہ سید احمد شہید، کٹولی) حال آں کہ اگر نظریات واضح انداز میں بیان کر دیے جائیں اور پھر ان نظریات کی تطبیق کے لیے مختلف نوعیت کی مشقیں بڑھا دی جائیں اور ان مشقوں میں ایک مشق عبارت فہمی کے لیے خاص کر دی جائے اور اس میں فن کی مناسبت سے کوئی مشکل عبارت کرائی جائے تو نظریات کی تفہیم بھی ہو جائے گی، تطبیق کی مشق بھی ہو جائے گی، حل عبارت کا ملکہ بھی پیدا ہو جائے گا، عقل کی توظیف بھی ہو جائے گی، اور قوت فہم میں بھی اضافہ ہو جائے گا، بہر حال مغلق عبارتوں پر اصرار دور حاضر کے مزاج سے میل نہیں کھاتا؛ اسی لیے علامہ شبلی نے حیدر آباد کے دار العلوم کا جب نصاب بنایا تو مغلق کتابوں کو خارج کر دیا؛ چناں چہ نصاب کی رپورٹ میں وہ لکھتے ہیں:

''ہر فن کی تعلیم کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ایسی کتابیں درس میں رکھی جائیں جن میں تمام مسائل نہایت سادہ، صاف اور واضح طریقہ سے بیان کیے گئے ہوں؛ تاکہ طالب العلم بہ آسانی تمام مسائل پر حاوی ہو جائے، اس بنا پر وہ کتابیں جو معما اور چیستاں کے طور پر اس قدر مغلق اور مختصر لکھی گئی ہیں کہ ایک ایک سطر میں ایک ایک صفحہ کے مطالب کھپا دیے گئے ہیں، وہ خارج کر دی

گئیں''۔(مقالات شبلی:۱۵۷)

علامہ ابن خلدون نے اس خامی بھی پر مستقل ایک فصل باندھی ہے جس کا عنوان ہے:''کثرة الاختصار ات المؤلفة فی العلوم مخلة بالتعلیم'' (یکھیے:مقدمہ ابن خلدون، الباب السادس من الکتاب الاول، الفصل السادس والثلاثون، ص:۷۷۲)۔

☆ خلط مبحث والی کتابیں:

کسی بھی فن کی کتاب میں اگر دوسرے فنون کے مباحث مخلوط کر دیے جائیں تو طالب فن کا ذہن مطلوبہ فن پر مرتکز ہونے کے بجائے انتشار کا شکار ہوجاتا ہے، دیگر فنون کی گتھیاں سلجھانے میں اصل فن سے کافی دور جاپڑتا ہے، جس کے نتیجہ میں فن پر اس کی گرفت مضبوط نہیں ہو پاتی، اسی لیے علامی شبلیؒ ایسی کتابوں سے کافی نالاں رہتے تھے؛ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''قدیم نصاب میں اکثر ایسی کتابیں ہیں جن میں دوسرے علوم کے مسائل مخلوط کر دیے گئے ہیں، اس لیے خلط مبحث کی وجہ سے طالب العلم اس فن کے مسائل سے دور جاپڑتا ہے''۔(مقالات شبلی:۱۵۷/۳)

اس طرح کی خلط مبحث والی کتابیں کافی حد تک نصاب درس سے چھانٹ دی گئی ہیں، چھٹائی کے اس عمل کے پیچھے شبلی کی فکر اور ان کی مساعی کے اثر کا انکار کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی۔

☆ علم کلام کے فن میں کتابوں کی کمی:

علم کلام کا مقصد ایمان کو پختہ کرنا، شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا اور معترضین کو تشفی بخش جواب دے کر اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنا ہے، ظاہری بات ہے کہ یہ بہت اعلی مقصد ہے، لہذا اس فن کی طرف اعتنا اس کے مقصد کی بلندی کے اعتبار سے کیا جانا چاہیے تھا؛ مگر اس مقصد کے لیے صرف ایک کتاب شرح عقائد سے کام چلایا جاتا ہے، علامہ شبلیؒ کو اس بات کا شکوہ تھا کہ ذیلی مقاصد کے فنون مثلا: نحو ومنطق کے لیے کتابوں کی بہتات ہے؛ لیکن اس اعلی مقصد کے حصول کے لیے صرف ایک کتاب ہے؛ چناں چہ وہ دارالعلوم حیدرآباد کے نصاب کی رپورٹ میں لکھتے ہیں:

''عقائد وعلم کلام میں صرف ایک کتاب اور وہ بھی معمولی درجہ کی درس میں تھی، یعنی شرح عقائد نسفی، حالاں کہ یہ فن تمام اسلامی فنون پر مقدم اور سب کا اصل الاصول ہے''۔(مقالات: ۱۵۸/۳)

علامہ شبلی نے ندوے میں جب تکمیل کے مرحلے کا اضافہ کیا تو سب سے پہلے علم کلام کا ہی درجہ کھولا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شبلی علم کلام کے نصاب کے تئیں کتنا فکرمند رہتے تھے۔

☆ لفظی مباحث:

کتب درس میں جس طرح دیگر فنون کی بحثوں نے اصل فن کو غیر مرکوز کر دیا ہے، اسی طرح لفظی مباحث کی کثرت نے فن کے اصول وقواعد اور نظریات وضوابط کا احاطہ واستحضار کرنا طالب علم کے لیے پریشان کن حد تک مشکل بنا دیا ہے، اور یہ لفظی مباحث ایسے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ فن کا سمجھنا ان پر منحصر نہیں؛ بل کہ بسا اوقات اصل فن کی تحصیل میں یہ مخل ہوجاتے ہیں، اور اگر وہ مخصوص لفظ ہٹا دیا جائے تو پوری بحث ہی یکسر غائب ہوجاتی ہے، اور اس کی غیبوبت سے نفس فن کے سمجھنے میں کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا؛ بل کہ بسا اوقات فائدہ ہی ہوتا ہے، نصاب کی اس کمزوری پر علامہ شبلی کا قلم یوں شکوہ کناں ہے:

''موجودہ نصاب میں اکثر کتابیں ایسی ہیں جن میں نفس مسائل کے علاوہ نہایت کثرت سے لفظی مباحث ہوتے ہیں، جن کا مدار کسی کتاب کے خاص الفاظ پر ہوتا ہے، یعنی اگر اصل مسئلہ کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا جائے تو وہ تمام مباحث بیکار ہوجائیں،.....اس طرح بجائے اس کے کہ اصل مسئلے پر وقت صرف کیا جائے مصنف کے ایک خاص لفظ اور اس کے منشا پر بے فائدہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ نصاب موجودہ کی اکثر کتابوں کی یہی حالت ہے، یعنی جس قدر اصل فن کے مسائل ہیں ان کے قریب بل کہ ان سے زیادہ یہ فضول مسائل ہیں''۔

(مقالات شبلی:۱۲۹،۱۳۰)۔

☆ لیکچر کے بجائے کتابی تدریس:

مسلمانوں کی قدیم تعلیم کے دور میں تعلیم کا اصل مقصد تحصیلِ فن تھا، اس لیے کتابی درس کا رواج نہ تھا؛ بل کہ استاذ متعلقہ موضوع پر لیکچر دیا کرتا تھا اور طالبانِ علوم اس لیکچر کو نوٹ کیا کرتے تھے، اس طریقے کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ طالب علم کا ذہن عبارت کی موشگافیوں میں الجھنے کے بجائے بالراست فن کو اخذ کرتا تھا، علامہ شبلی کی تحقیق کے مطابق علامہ سیوطی وہ آخری عالم ہیں جنھوں نے باضابطہ لیکچر کے ذریعے درس دیا، پھر اس کے بعد کتابی تدریس عام ہوگئی، شروع میں تو کتاب وسیلہ اور ذریعہ رہی؛ لیکن آہستہ آہستہ کتاب ہی مقصود ہوگئی اور حل کتاب میں دادِ تحقیق دینا مدرسین کی معراج قرار پائی؛ علامہ شبلی لیکچر والے طریقۂ تعلیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بنوامیہ کے دور تک کتابی درس کا مطلق رواج نہ تھا، بل کہ استاد زبانی تقریر کرتا تھا اور طلبہ اس کو قلم بند کرتے جاتے تھے، یہ طریقہ دولت عباسیہ میں بھی مدت تک جاری رہا، اس کے بعد کتابوں کا درس جاری ہوا؛ لیکن پہلا طریقہ بھی مفقود نہیں ہوا، سب سے اخیر شخص جس نے اس طریقہ پر درس دیا علامہ جلال الدین سیوطی تھے''۔ (خطبات شبلی:۱۸)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ علامہ شبلی کے نزدیک کتابی درس اپنے آپ میں معیوب نہ تھا؛ بل کہ کتاب کو وسیلہ کے بجائے مقصود بنالینا معیوب تھا؛ اگر کتابی درس اپنے آپ میں برا ہوتا تو شبلی ندوہ اور دارالعلوم حیدرآباد کے نصاب میں کتابیں رکھنے کے بجائے صرف موضوعات کا انتخاب کردیتے۔

یہ وہ امور ہیں جو نصاب کی اصلاح واضافے سے متعلق ہیں، اب یہاں اختصار کے ساتھ ان اہم مقاصد کا ذکر کیا جاتا ہے جو شبلی کے پیش نظر تھے۔

نصاب کی اصلاح واضافہ کے پیچھے شبلی کے مقاصد:

جن مقاصد کے پیش نظر علامہ شبلی نے نصاب میں اصلاح واضافے کی آواز اٹھائی اور نہ صرف یہ کہ آواز اٹھائی؛ بل کہ عملی شکل دینے کی پوری زندگی کوشش کرتے رہے، ان میں سے چند اہم مقاصد کو درج ذیل دفعات میں سمیٹا جاسکتا ہے:

۱۔ جدید دور کے اعتراضات کا جواب:

علامہ شبلی مدارس اسلامیہ کے نصاب کو ایسے قالب میں ڈھالنا چاہتے تھے، کہ فضلاء مدارس جدید دور کے اعتراضات کو سمجھ سکیں اور ان اعتراضات کا جواب ایسی زبان اور ایسے اسلوب میں دے سکیں کہ معترض طبقہ نہ صرف یہ کہ سمجھ سکے؛ بل کہ اسے تشفی بخش جواب مل سکے؛ علامہ شبلی کا چشم کشا اقتباس ملاحظہ ہو:

''یہ امر اگر چہ بدیہی ہے کہ قدیم تعلیم میں سخت اصلاح اور اضافے کی ضرورت ہے؛ لیکن افسوس ہے کہ بڑے بڑے مقدس علما اب تک اس ضرورت کے قائل نہیں، اس لیے ہم ان سے سوالات ذیل کے جواب چاہتے ہیں:

(۱) یورپ کے مصنفین مذہب پر جو حملہ کررہے ہیں، اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۲) اگر علما خود ان خیالات سے واقف نہ ہوں گے تو انگریزی خوان مسلمانوں میں ان خیالات کا شائع ہونا کوئی روک سکتا ہے؟

(۳) مذہب پر عموما اور مذہب اسلام پر جو اعتراضات یورپ کے لوگ کررہے ہیں ان کا جواب دینا کس کا فرض ہے؟

(۴) علما جب تک ان خیالات سے واقف نہ ہوں گے جواب کیوں کر دے سکیں گے؟

(۵) کیا علمائے سلف نے یونانیوں کا فلسفہ نہیں سیکھا تھا اور ان کے اعتراضات کے جواب نہیں دیے تھے؟

(۶) اگر اس وقت اس زمانے کے فلسفہ کا سیکھنا جائز تھا تو اب کیوں جائز نہیں ہے؟ (جاری)

غزلیں

حضرت رحمٰن جامیؔ۔ حیدرآباد

بس آپ فقط بننے سنورنے کے لیے ہیں
اب ہم ہی یہاں آپ پہ مرنے کے لیے ہیں

چڑھتا ہوا دریا ہے کنارے پہ مگر لوگ
کشتی میں مری پار اترنے کے لیے ہیں

ہر موج بلا ہم کو ڈبونے کے لیے ہیں
ہم ڈوب کے ہر بار ابھرنے کے لیے ہیں

لے جائے گی کچھ دم میں ہوا سب کو اڑا کر
تنکے بھی ہواؤں میں بکھرنے کے لیے ہیں

کچھ باتیں ہیں بھولے سے بھلائی نہیں جاتیں
کچھ باتیں ہیں رہ رہ کے بسرنے کے لیے ہیں

کچھ چہروں کو کجلا گیا خورشیدِ زمانہ!
کچھ چہرے شعاعوں میں نکھرنے کے لیے ہیں

بن جائے گی کچھ دیر میں دل کھینچنے والی
تصویر میں کچھ رنگ ابھی ابھرنے کے لیے ہیں

جو کام نہ ہو پائے کسی دستِ ہنر سے
وہ کام فقط اپنے ہی کرنے کے لیے ہیں

کر لیجئے چل کر ذرا منزل کا تعین!
راہوں میں سرائے بھی ٹھہرنے کے لیے ہیں

ہر وعدے پہ ہم یوں ہی بہلتے رہے جامیؔ
اس شوخ کے سب وعدے مکرنے کے لیے ہیں

جدت پہ تم چلو کہ روایات پر چلو
سچی ہے جو بھی بات اسی بات پر چلو

چکنی سڑک پہ کار تمہیں دے گئی دغا
اب آؤ میرے ساتھ فٹ پات پر چلو

انسانیت ہی سب سے بڑی ذات ہے یہاں
انسان ہو اگر تو اسی ذات پر چلو

لوہا بھی سونا ہوتا ہے پارس بنو اگر
پارس کی طرح تم بھی کرامات پر چلو

نغمات سن کے ہوتا ہے روشن ہر ایک دل
تم روشنی کے واسطے نغمات پر چلو

ہر پتّا دل کی طرح دھڑکتا ہے زیرِپا!
جنگل بھی گونج اٹھتا ہے جب پات پر چلو

اس شرط پر بگڑنے نہیں دوں گا میں تمہیں
میرے قلم کی طرح مرے ہاتھ پر چلو

جامیؔ بتاؤ کیسے چلیں گے ہم ان کے ساتھ
حالات کہہ رہے ہیں کہ حالات پر چلو

''اردو شاعری میں ذات مجتبیٰ اور صفات مصطفیٰ''
پر ایک روزہ سیمینار کی رپورتاژ

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی



(دائیں سے) ڈاکٹر سراج احمد انصاری، محمد حسن، الحاج محمد عثمان، مولانا رحیم الدین انصاری، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، پروفیسر مظفر علی شہ میری، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر م، ق سلیم، حافظ فہیم الدین اور ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب خصوصی شمارہ ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کا اجرا کرتے ہوئے

شبلی انٹر نیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی جانب سے 20 نومبر کو یک روزہ سیمینار بمقام اردو گھر مغل پورہ حیدرآباد میں بعنوان ''اردو شاعری میں ذات مجتبیٰ اور صفات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا انعقاد کیا گیا۔ سرپرستی استاذ الاساتذہ حضرت رحمن جامی نے کی۔ سمینار کا آغاز قاری محمد وقار حسامی کی تلاوت قرآن سے ہوا، بعدہ ڈاکٹر طیب پاشاہ قادری اور حافظ عمار یاسر نے نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ بحیثیت مہمان اعزازی ڈاکٹر م ق سلیم مولانا حافظ فہیم الدین نے شرکت کی۔ محمد حسن (ساتویں جماعت کے ہونہار طالب علم، جو اپنی کم عمری محض ۱۱ سال میں انجینئرنگ کے طالب علموں کو ڈیزائن اور ٹیکنیکل کورس کا ٹیوشن پڑھاتے ہیں اور پانچ سو کے قریب انجینئروں نے ان کی خداداد صلاحیت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے مستقبل کو مستحکم کیا) شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ نے انہیں تہنیت اور مبارکبادی کا مومنٹو پیش کیا اور ان کے روشن مستقبل کے لیے دعائیں کی گئیں۔

اس سمینار کی صدارت مولانا رحیم الدین انصاری چیرمین اردو اکیڈمی تلنگانہ نے فرمائی، انہوں نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ نعت ساڑھے چودہ سو سال سے لکھی اور پڑھی جارہی ہے عربی فارسی اور اردو میں بلکہ یوں کہا جائے کہ دنیا کی ہر زبان میں نعت کہی گئی ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ علامہ اقبال کی شاعری کے چند اہم نعتیہ اشعار سنا کر وہ اشکبار ہوگئے جس کی وجہ سے حاظرین محفل پر سکتہ طاری ہوگیا بعد ازاں انہوں نے شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی کاوشوں کو سراہا۔ سمینار کے مہمان خصوصی اور ٹیکنیکل سیشن کے صدر عزت مآب پروفیسر مظفر علی شہ میری وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول آندھرا پردیش نے اپنے تاثراتی اور صدارتی خطاب میں فرمایا کہ سب سے پہلے میں موضوع کے انتخاب پر اراکین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کو مبارک بادی دیتا ہوں اور کہا کہ آپ لوگوں نے بروقت اور اہم موضوع کا انتخاب کیا، کیونکہ یہ صدی نعت کی صدی ہے اس صدی میں شاعری کے بیشتر مجموعے نعت رسول اللہ سے شروع ہوتے ہیں اور اردو میں نعت رسول ہر دہائی اور ہر صنف میں پائی جاتی ہے انہوں نے اپنے اور حضرت خواجہ شوق کے چند اشعار کا تجزیہ کیا اور ذات مصطفیٰ اور صفات مجتبیٰ کو ثابت کیا بعد ازاں انہوں نے تمام مقالہ نگاران کو مبارک باد دی اور فرمایا کہ سبھی مقالہ نگاروں نے اپنے اپنے انداز میں ڈوب کر اردو شاعری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور صفات کو دیکھنے کی کامیاب کوشش کی، اس سمینار کے لیئے ملک بھر



(دائیں سے) ڈاکٹر سراج احمد انصاری، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، الحاج محمد عثمان، مولانا رحیم الدین انصاری، مصنفہ شبانہ انجم، پروفیسر مظفر علی شہ میری، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر م، ق سلیم، اور حافظ فہیم الدین ''محمد علی اثر کی نعت گوئی'' کا اجرا کرتے ہوئے۔

سے ۴۲ مقالے لکھے گئے اور ۱۷ مقالہ نگاروں کو پیش کرنے کا موقع ملا شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے اس سیمینار میں دوسرا حصہ ایوارڈ تہنیت اور رسم اجراء پر مشتمل تھا ٹرسٹ کی جانب سے استاذ الاساتذہ حضرت رحمان جامی کی مجموعی شاعری کی خدمات کی وجہ سے جوکہ چودہ مجموعہ کلام پر مشتمل ہے ان کی شاعری دنیا بھر کے اردو موقر رسائل اور جرائد میں شائع ہوچکی ہے عمدۃ الشعراء کے ایوارڈ سے نوازا گیا طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے آپ شریک نہ ہوسکے۔

آل انڈیا اردو ماس سوسائٹی فارپیس کے صدر ڈاکٹر مختار احمد فردین ان کی اردو کے فروغ میں چار دہائیاں لگ چکی ہیں اور وہ چار کتابوں کے مصنف بھی ہیں ان کی بے لوث خدمات کی وجہ سے ٹرسٹ نے ہمدرد اردو کے ایوارڈ سے نوازا، ادارہ پر امید ہے کہ ان کی خدمات کا سلسلہ جاری رہے گا اس اہم موقع پر شبانہ انجم کی کتاب محمد علی اثر کی نعت گوئی اور صدائے شبلی کے خصوصی شمارے کی مہمان معظم کے ہاتھوں رسم اجرا انجام دی گئی۔



شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی جانب سے ڈاکٹر مختار احمد فردین کو ''ہمدرد اردو'' ایوارڈ سے نوازتے ہوئے مولانا رحیم الدین انصاری، چیرمین تلنگانہ اردو اکیڈمی، پروفیسر مظفر علی شہ میری وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول اور ڈاکٹرم، ق سلیم، پرنسپل شاداں کالج حیدرآباد

شبانہ انجم ریسرچ اسکالر یونیورسٹی آف حیدرآباد کی پہلی تصنیف ''محمد علی اثر کی نعت گوئی'' کی رسم اجرا پروفیسر مظفر علی شہ میری وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول آندھرا پردیش اور مولانا رحیم الدین انصاری چیرمین تلنگانہ اردو اکیڈمی کے ہاتھوں انجام دی گئی۔

اس سیمینار کے لئے جملہ ۴۲ مقالے لکھے گئے ۱۷ مقالہ نگاروں کو پیش کرنے کا موقع ملا (۱) حکیم صوفی خیرالدین صوفی: حضرت رحمٰن جامی کی نعتیہ شاعری میں ذات مجتبیٰ وصفات مصطفیٰ ﷺ (۲) ممتاز جہاں عشرت : تہنیت النساء تہنیت زور کی نعتیہ شاعری (۳) اسلم فرشوری: محبّ کوثر کی نعتیہ شاعری (۴) ڈاکٹر رفعہ نوشین :نظیر عدیل کی نعتیہ شاعری (۵) ڈاکٹر نکہت آرا شاہین : تہنیت النساء تہنیت زور کی نعتیہ شاعری (۶) ڈاکٹر ثمیہ تمکین : امیر مینائی کی شاعری میں ذات مجتبیٰ وصفات مصطفیٰ ﷺ (۷) ڈاکٹر مصلح الدین نظامی: نعتیہ مجموعہ کلام خوشبوئے مصطفیٰ ﷺ کا ایک تجزیاتی مطالعہ (۸) اسریٰ تسنیم اردو شاعری میں ذات مجتبیٰ وصفات مصطفیٰ (۹) احمد نورعینی ریسرچ اسکالر: اقبال کی اردو شاعری میں ذکر رسول (۱۰) محمد زبیر ریسرچ اسکالر: سید نصیرالدین نصیر کی نعتیہ شاعری (۱۱) امتیاز احمد خواجہ: شاعر مشرق علامہ اقبال کی شاعری میں حب رسول (۱۲) ڈاکٹر غوثیہ بانو پروفیسر مظفر علی کی شاعری میں ذات مجتبیٰ وصفات مصطفیٰ (۱۳) شبینہ فرشوری: اسلم فرشوری کی نعتیہ شاعری (۱۴) شبانہ انجم: محمد علی اثر کی شاعری میں ذات مجتبیٰ وصفات مصطفیٰ (۱۵) عرشیہ بدر ریسرچ اسکالر: تہنیت النساء تہنیت زور کی نعتیہ شاعری (۱۶) ڈاکٹر زرینہ خانم : جری قادری کی نعت گوئی (۱۷) ڈاکٹر نصیرالدین منشاوی نے حضرت رحمٰن جامی کے نعتیہ مجموعہ کلام محمد مصطفیٰ میرے ﷺ کا جائزہ پیش کیا۔



شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی جانب سے محمد حسن حیدرآبادی کو (کمسنی علمی وفنی صلاحیت کے اعتراف میں) ''تشجیعی ایوارڈ'' سے نوازتے ہوئے مولانا رحیم الدین انصاری، چیرمین تلنگانہ اردو اکیڈمی، پروفیسر مظفر علی شہ میری وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول

جن لوگوں نے مقالے لکھے ہیں ان کے نام اور عنوان مندرجہ ذیل ہیں (۱) ڈاکٹر عرشیہ جبین: تہنیت النساء تہنیت زور کی شاعری میں ذات مصطفیٰ ﷺ (۲) ڈاکٹر محمد رفیق : علقمہ شبلی کی نعتیہ شاعری (۳) ڈاکٹر عبدالقدوس: غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری (۴) ڈاکٹر سراج احمد انصاری: امام احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری (۵) مفتی تنظیم عالم قاسمی : کلیم عاجز کی نعتیہ شاعری (۶) ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی: حافظ کرناٹکی کی نعتیہ شاعری (۷) ڈاکٹر محمد زبیر : انتخاب نعت اردو نعتیہ شاعری کا لازوال سرمایہ (۸) ڈاکٹر حمیدہ بیگم : اشرف رفیع کی شاعری میں ذات مصطفیٰ وصفات مجتبیٰ

(۹)ڈاکٹر رفیعہ نسیم:گلدستہ نعتیہ کلام تہنت النساہ تہنیت کا ایک جایزہ(۱۰)ڈاکٹر حمران احمد :خواجہ الطاف حسین حالی کی نعتیہ شاعری مسدس حالی کے حوالے سے(۱۱)نزاکت بھٹی:پروفیسر مجاہدالاسلام مغل کی شخصیت اوران کا نعتیہ کلام(۱۲)محسن ساحل :حسنین عاقب کی شاعری میں ذات مجتبیٰ وصفات مصطفیٰ(۱۳) آصفیہ شمیم : حیدرآباد کے نعت گو شعراء(۱۴)صالحہ صدیقی:اقبال کی شاعری میں تصور ذات وصفات مصطفیٰ ایک مطالعہ(۱۵)روحینہ فاطمہ :محمد علی اثر کی نعت گوئی(۱۶)ڈاکٹر سید حبیب امام قادری :امام احمد رضا کی اردو نعتیہ شاعری (۱۷) محمد فیروز خان:عرفان صدیقی کا عشق رسول(۱۸)ظفرالاسلام:شکیل اعظمی کی نعتیہ شاعری میں ذات مصطفیٰ ﷺ(۱۹)مولانا محمد وقار حسامی : خواجہ الطاف حسین حالی کی نعتیہ شاعری میں ذات مصطفیٰ و صفات (۲۰) مولانا امدادالحق :مفتی نسیم احمد فریدی کی شاعری میں ذات مصطفیٰ وصفات مجتبیٰ (۲۱) ڈاکٹر نا ہیدہ :سردار سلیم بحیثیت نعت گو(۲۲) عبیدالرحمٰن: اثر انصاری کی نعتیہ شاعری(۲۳)ڈاکٹر فریدہ تبسم:ڈاکٹر رؤف خیر کی نعت گوئی(۲۴)ابوہریرہ یوسفی: کوثر معروفی کی نعتیہ شاعری میں ذات مجتبیٰ و صفات مصطفیٰ(۲۵)ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی:اقبال سہیل کی نعتیہ شاعری۔

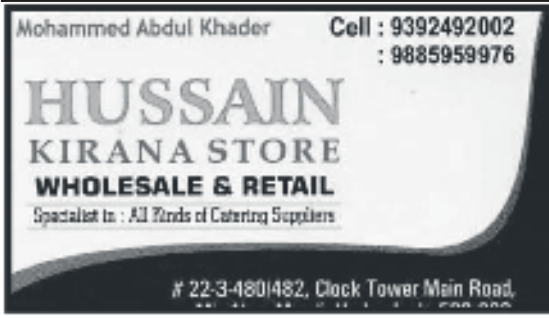
ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی کنوینر سمینار ایڈیٹر صدائے شبلی نے نظامت کے فرائض انجام دیئے اوراس بات کا عہد کیا کہ سارے مذکورہ مقالات کو ان شاء اللہ بہت جلد کتابی شکل میں شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کی جانب سے شائع کیا جائے گا۔اخیر میں ڈاکٹر سراج احمد انصاری نے حاضرین محفل،مہمانوں اور معاونین کا شکریہ ادا کیا۔

علینا عترت۔غازی آباد(یوپی)

غزل

زندہ رہنے کی یہ ترکیب نکالی میں نے
اپنے ہونے کی خبر سب سے چھپالی میں نے
جب زمیں ریت کی مانند سرکتی پائی
آسماں تھام لیا جان بچالی میں نے
اپنے سورج کی تمازت کا بھرم رکھنے کو
نرم چھاؤں میں کڑی دھوپ ملالی میں نے
مرحلہ کوئی جدائی کا جو درپیش ہوا
تو تبسم کی ردا غم کو اوڑھالی میں نے
ایک لمحے کو تری سمت سے اٹھا بادل
اور بارش کی سی امید لگالی میں نے
بعد مدت مجھے نیند آئی بڑے چین کی نیند
خاک جب اوڑھ لی جب خاک بچھالی میں نے
جو علینا نے سر عرش دعا بھیجی تھی
اس کی تاثیر یہیں فرش پہ پالی میں نے



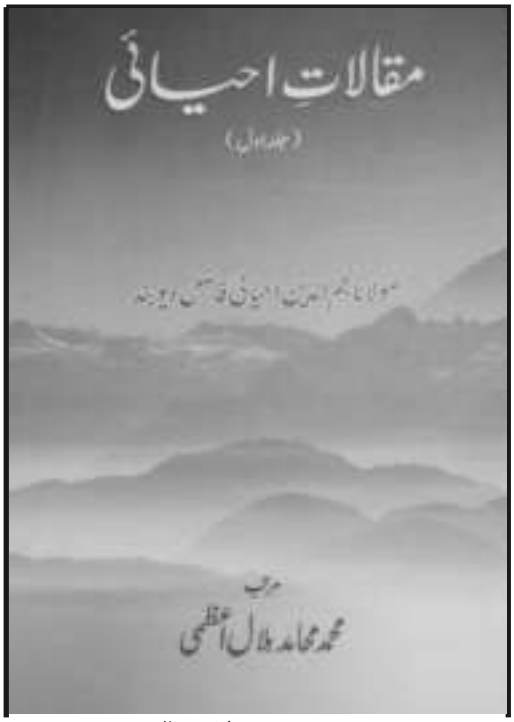





مقالاتِ احیائی

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔ (ادارہ)

تبصرہ نگار: **مولانا انصار احمد معروفی**۔ پورہ معروف۔ مئو



نام کتاب:	مقالاتِ احیائی (جلد اول)
مرتب:	محمد محامد ہلال اعظمی
صفحات:	159
ملنے کا پتہ:	شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

مضامین کے مجموعے کے مطالعے سے قاری کو ایک طرف مصنف کے وسعت مطالعہ کا علم ہوتا ہے وہیں بیک وقت مختلف موضوعات پر مطالعے کی سعادت حاصل ہوجاتی ہے، اس کے علاوہ اس کے ذریعے وہ مقالات جو اب تک مختلف رسائل و جرائد میں منتشر تھے انہیں نہ صرف یہ کہ نئی زندگی مل جاتی ہے بلکہ مرتب کی نظر ثانی سے اس کی آب و تاب میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

اردو ادب کے قلم کار ایسے زیادہ ملیں گے جنہوں نے خود اپنے مضامین کے بکھرے موتیوں کو اپنی حیات میں طباعت کی لڑی میں پرودیا، لیکن اسلامی اور دینی موضوعات پر لکھنے والے اکثر حضرات کو یہ سعادت نہیں مل پاتی اور وہ حیات مستعار میں اپنی تصنیف کی طباعت کی زیارت سے بہرہ ور نہیں ہو پاتے۔

اگر ان کی اولاد و احفاد میں ایسے اہل علم و قلم بلکہ صاحب خیر پیدا ہوگئے اور وہ اپنے پیش روؤں کی قلمی خدمات سے واقف ہوکر انھیں اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہوگیا تو ممکن ہے ان کے متروکہ قلمی وراثت کو دست برد زمانہ بچانے کے لیے وہ قدم اٹھادیں اور اپنے آباؤ واجداد پر احسان کر جائیں۔

اکیسویں صدی میں دیار شبلی سے تعلق رکھنے والی ایک اہم اور قابل قدر شخصیت مولانا نجم الدین احیائیؒ کی گزری ہے؛ جن کی عمر مستعار اگر چہ بہت مختصر یعنی صرف ۴۸ رسال تھی، مگر اس شعلۂ مستعجل نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود رد بدعت کی دنیا میں سنت کے دفاع کے لیے ''زلزلہ در زلزلہ'' اور ''تکفیر کے پردے میں'' کے ذریعے جو آگ باطل کے خیمہ میں لگائی ہے اس سے بدعت کا وجود خاکستر ہوگیا، انھوں نے قلمی خدمات کا جو ذخیرہ چھوڑا ہے، اور اس علمی میدان میں جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کا اثر آج بھی قائم ہے، اور اس سے استفادہ برابر کیا جارہا ہے۔

ان کے موجودہ علمی متروکات اور قابل قدر تبرکات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مولانا مرحوم کی حیات

مستعار میں کچھ اور اوراق شامل ہوجاتے تو یقیناً ایک سے بڑھ کر ایک علمی خدمات کا گراں قدر تحفہ طالبان علم کی تشنگی کو سیراب کرنے کے لیے میسر ہوجاتا، مگر قضاوقدر کے آگے پہلے بھی کس کی چلی ہے جو آئندہ چلے گی۔

مولانا مرحوم نے اپنے پیچھے اسلامی تربیت کے نتیجے میں ایسی لائق و فائق اولاد چھوڑی ہے جو ان کے پسماندگان کے لیے جہاں تحفظ کے ضامن اور متروکات کی دیکھ بھال کے لیے کافی ہیں؛ وہیں ان کے منتشر علمی کاموں کو جمع کر کے افادۂ عام کے لیے منظر عام پر لانے کی مسلسل کوشش میں لگے ہوئے ہیں، تاکہ ان کا علمی ذخیرہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ ہوجائے، یقیناً یہ نہ صرف قابل مبارکباد فکر و عمل ہے، بلکہ بہت سے لوگوں کے لیے نمونۂ عبرت اور قابل تقلید بھی ہے۔

مولانا نجم الدین احیائیؒ کے لائق و فائق فرزند اور اپنے والد مرحوم کے علمی وفکری جانشین مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے والد مولانا نجم الدین احیائی مرحوم کے ان مقالات ومضامین کے منتشر اوراق کو مختلف رسالوں اور مجلّات سے ڈھونڈھ کر کتابی شکل میں ''حصۂ اول'' کے طور پر شائع کردیا، جہاں تک آج کل کے قارئین کی رسائی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھی، کیونکہ مرحوم کے جو مضامین اُس وقت کے اسلامی رسالوں میں شائع ہوئے تھے، ان میں سے اکثر رسالے آج خود مرحوم ہوچکے ہیں، اور ۱۹۸۰ء کے بعد کی نسل ان مجلّات کے نام سے بھی ناواقف ہوچکی ہے۔

اُج کی نئی نسل ماہنامہ ''الحرم'' میرٹھ، تذکرہ دیوبند، ماہنامہ ''دینیات''، ماہنامہ ''حرمین'' مرادآباد، ''سیرت'' بنارس، 'البلاغ''، ممبئی، وغیرہ رسالوں کو کیا جانے؟ جو اس وقت بند ہوگئے ہیں، ان رسالوں میں مولانا کے بیش قیمت مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ مقالات کی یہ جلد اول ہے اور ڈاکٹر صاحب نے خوش خبری دی ہے کہ ''ان شاءاللہ (دیگر مقالات) مقالات احیائی جلد ثانی میں شائع کیے جائیں گے''۔

مقالات احیائی کا یہ پہلا ایڈیشن؛ جس کے مرتب ڈاکٹر مولانا محمد محامد ہلال اعظمی ہیں، ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا ہے، ۱۶۰/صفحات پر مشتمل اس گراں مایہ کی نشر واشاعت کا ذمہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، نے لیا ہے۔

مقالات احیائی کے قلم کار مولانا نجم الدین احیائیؒ کی پیدائش ۱۹۳۶ء بمہور، اعظم گڈھ میں ہوئی، عالمیت تک مولانا نے احیاءالعلوم مبارک پور اعظم گڈھ میں پڑھا اسی لیے اس ادارہ سے محبت کی بنا پر مولانا ہمیشہ خود کو احیائی لکھتے رہے، پھر فضیلت کی سند دیوبند سے حاصل کی اور تدریسی زندگی کا آغاز دارالمبلغین لکھنؤ سے کیا، آپ ابتدا سے لکھنے پڑھنے کے شوقین تھے، آپ کی تصانیف میں ''آپ تقریر کیسے کریں؟، زلزلہ در زلزلہ، تکفیر کے پردے میں، مرد مسلم ہوشیار، اور کیا لڑکیاں دوبارہ زندہ دفن کردی جائیں گی؟ وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا احیائی صاحب کا انتقال ۱۰/مئی ۱۹۸۵ء میں ہوا۔

واضح ہو کہ مقالات احیائی کے مرتب ڈاکٹر ہلال اعظمی صاحب کی پیدائش ۱۹۷۷ء کی ہے، جنہوں نے حفظ کی تعلیم اپنے گاؤں بمہور اعظم گڈھ میں حاصل کی، پھر عالمیت کی تعلیم احیاء العلوم مبارک پور سے حاصل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند سے فضیلت کی سند حاصل کی اور آخر میں بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حیدرآباد میں رہ کر حاصل کی۔

ڈاکٹر اعظمی صاحب ''مولانا شبلی کی اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، فیوض بمہور، کسک عارض'' وغیرہ کتابوں کے مصنف ہیں، اور کئی ایک کتابیں زیر تصنیف ہیں۔

مقالات احیائی جلد اول میں وہ مضامین ومقالات درج ہیں جو بہت تلاش وجستجو کے بعد مختلف رسائل واخبارات میں ملے، اس کتاب میں کل ۲۲/مضامین شامل ہیں، جو سب کے سب دینی واسلامی مضامین پر مشتمل ہیں۔

قرآن کریم کی اہمیت کے پیش نظر کتاب میں شامل پہلا مضمون ''چیلنج قرآن'' کے نام سے ہے، جس میں مولانا

مرحوم نے قرآن کریم کے نہ ماننے والوں کے لیے اللہ نے جو چیلنج کیا ہے، اس کا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ اگر تم کلام الٰہی کو انسانی کلام کہتے ہو، یا اس میں شک کرتے ہو، تو اس جیسا کلام تم بھی پیش کر کے دکھادو، پورا قرآن نہ سہی، ایک دوسورہ یا آیت ہی پیش کردو، کیونکہ یہ تمہاری زبان میں ہے، اور تمہیں اپنی زبان دانی پر فخر ہے، مگر وہ ہزار کوشش کے باوجود ایسا نہ کر سکے۔

دوسرا مضمون ''تاریخی ہے؛ جو ''عرب قبل اسلام'' کے نام سے ہے، مولانا کے قلم کی خوبی یہ ہے کہ وہ مضمون کے ابتدا میں ہی قاری کو اپنے قلم کی گرفت میں لے لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ مضمون شروع کرتا ہے تو مکمل کر کے چھوڑتا ہے، مولانا نے مضمون کی ابتدا اس طرح کی ہے:

''ظلمت نہ ہو تو انسان نور کی صحیح قدر نہیں کر سکتا، سورج کی تپا دینے والی کرنیں نہ ہوں تو مسرت بخش چاندنی کا صحیح مقام ہم نہیں پہچان سکتے، غربت وافلاس نہ ہو تو سیم وزر بے وقعت ہو جائیں، مصائب وآلام سے دو چار ہونا نہ پڑے تو بہجت ومسرت کے ایام ہماری نظر میں کچھ بھی اہمیت نہ رکھیں، الغرض ایک ضد دوسرے کے لیے معرف ہوتا ہے، عربی مقولہ ہے ''الاشیاء تعرف باضدادہا''۔

اس مقالہ میں مولانا مرحوم نے اہل عرب کی شجاعت، ضیافت، حلف فضول، علوم عرب، وعدہ وفائی، اہل عرب کی شاعری، دختر کشی، باہمی جنگ، مے نوشی سے لے کر ان کے مذاہب کا بھی جائزہ لیا ہے۔

''شمع رسالت کے پروانے''، مضمون میں مولانا نے واقعات کی روشنی میں کچھ صحابہ کی بے مثال محبت وقربانی کا تذکرہ کیا ہے، ''شفیق رسول''، مضمون میں نبی کے اخلاق کریمانہ کا ذکر ہے، اور ایک مضمون ''رسول اللہ کے فضائل''، کتاب اللہ کی روشنی میں'' کے عنوان سے ہے، جس میں عنوان کا لحاظ کرتے ہوئے صرف آیتوں سے آپ ﷺ کے فضائل ومحامد کا تذکرہ کیا ہے۔

اسی طرح ایک مضمون ''صحابۂ کرام کی گریہ وزاری''، ''صحابہ کی تواضع''، ''معرفت الٰہی''، ''علمائے اسلام کے شاندار کارنامے''، ''اسلامی سیاست''، ''ممالک اسلامیہ کی موجودہ مشکلات کا حل''، ''خودداری''، ''مولانا گنگوہیؒ''، وغیرہ سارے مضامین انتہائی نفع بخش ہونے کے ساتھ اردو ادب کی چاشنی لیے ہوئے ہیں۔

مضامین بہت طویل بھی نہیں جنہیں دیکھ کر قاری اوب جائے، کتاب کے مطالعے سے اس کی دوسری جلد کی اشاعت کی پیاس بڑھ جاتی ہے، یہی اس کتاب کے نافع ہونے کی دلیل ہے، ڈاکٹر محامد صاحب کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ وہ مقالات احیائی کے دوسرے حصے کی اشاعت کی راہوں کو آسان فرمادے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's



یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر
UNANI CENTER FOR CARDIAC CARE

Consultation Time
Morning:11:00 am to 2:30 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowki Hyderabad - 500008 T.S India